

پندرہوڑہ معارف فتح پر کراچی

مدیر:
سید شاہد ہاشمی

MA'ARIF FEATURE

نائب مدیران: معمن ظفر خان، سید سعیف اللہ حسینی، نوید نون۔ معاون مدیران: غیاث الدین، محمد عییاد فاروقی

ڈی - ۳۵، بلاک - ۵، فیڈرل بی، ائریا، کراچی۔ ۷۵۹۵۰

فون: ۰۳۶۳۲۹۸۴۰-۰۳۶۸۰۹۲۰۱، فیکس: ۳۶۳۲۱۰۴۰

برقی پا: www.irak.pk، ویب گاہ: irak.pk@gmail.com

- ۱- معادر فیچر ہر ایک اور رسولت ایجاد کیا جاتا ہے۔ اس میں دنیا بھر سے (ہمیں) دستیاب ایسی معلومات کا اختیاب پیش کیا جاتا ہے جو اسلام سے دیجی اور ملت اسلامیہ کا درد رکھنے والوں کے غور و فکر کے لئے اہم یا مفہود ہو سکتی ہیں۔
- ۲- پیش کیا جانے والا لوازمہ بالعموم بلا تبصرہ شائع کیا جاتا ہے۔ کسی مضمون، نقطہ نظر، خیال یا معلومات کے اختیاب کی وجہ سے ہمارا اتفاق نہیں اس کی اہمیت ہوتی ہے۔ کسی مضمون یا معلومات کی مدلل تردید یا اس سے اختلاف پر منی اواز مہ کوچی جگدی جا سکتی ہے۔
- ۳- معادر فیچر کو ہتر بنا کے لیے مفید معلومات کے حصول یا ان کے ذرائع تک رسائی میں آپ کی مدد کا خیر مقدم کیا جائے گا۔
- ۴- ہمارے فرماہ کردہ لوازمے کے مزید لیکن غیر تجارتی ابلاغ کی اجازت ہے۔
- ۵- معادر فیچر کی کوئی قیمت مقرر نہیں۔ تاہم عطیات کی ضرورت بھی رہتی ہے اور عطیات قبول بھی کیے جاتے ہیں۔ اسلامک دیسوج اکیڈمی کو اچھی

ساتھ یکجہتی کا اظہار کر رہے ہیں۔ کیروں کے خلاف مقہد دیکھنے والے برازیل کے شاائقین بھی دوہم میٹرو میں فلسطین کو آزادی دوئے نفرے لگاتے ہوئے نظر آئے۔ دوہم کی سڑکوں پر فلسطینیوں کی جانب سے فلسطین کے جھنڈے تقسیم کیے گئے اور دنیا بھر سے آنے والے افراد نے انہیں بخوبی قول کیا۔ اگرچہ اسرائیل اور قطر کے درمیان باضابطہ سفارتی تعلقات نہیں تھے لیکن پھر بھی فینا کی شرائط کے مطابق قطر نے اسرائیل میڈیا اور شہر یوں کو ورلڈ کپ دیکھنے کی اجازت دی۔ اسرائیلی حکومت کا خیال تھا کہ وہ اس ٹورنامنٹ کو یہ دکھانے کے لیے استعمال کر سکے گی کہ وہ اسرائیل کے ساتھ تعلقات نہ رکھنے کی عرب ممالک کی پالیسی کو تبدیل کر سکتی ہے لیکن ایسا نہ ہو سکا۔

شاائقین نے اسرائیلی میڈیا کو بہت مشکل میں ڈالے رکھا۔ ایسی درجنوں ویڈیو وائرل ہوئی ہیں جن میں دیکھا جاسکتا ہے کہ اسرائیلی صحافی شاائقین سے بات کرنے کی

اندرونی صفحات پر

- بگلا دلیش، حزب اختلاف کی ناکامی
- بگلا دلیش، پاکستانی حکام اور بھارتی دلائل
- ۲۰۰۸ء میں معاشری تباہی اور ارب بڑے عالمی خطرات
- امریکا، ہندو تنظیم کی دیدہ دلیری
- ۲۰۲۳ء: دنیا کی جغرافیائی سیاست کیارنگ دکھائے گی؟
- انگلینڈ، ولیز میں مسیحی اقلیت بن گئے
- مشرق سطی میں ”چینی سلطنت“ کا ظہور
- امریکا کی افریقا میں موقع کی تلاش
- کامیابی کا فلسفہ
- چین روں تعلقات، کمان کس کے ہاتھ میں ہے؟

فلسطین کی فتح، اسرائیل کی شکست

Dima Khatib

اپنی آزادی اور عزت کے ساتھ ساتھ فلسطین کی آزادی کا بھی مطالبہ کر رہے تھے اور فلسطین کے پرچم اٹھائے ہوئے تھے۔ فلسطینی پرچم درحقیقت عرب سیاست کی نشانی ہے، فلبال مچوں میں بھی یہ لازمی نظر آتا ہے۔ ہم نے ۲۶ نومبر کو یونیس اور آسٹریلیا کے فلبال مچ میں بھی اسٹیڈیم کے اندر ایک بہت بڑا فلسطینی پرچم دیکھا تھا اور اس کے اگلے روز مرکاش ایکیچم کے مچ میں بھی وہ پرچم نظر آیا۔ بعد کے مچوں میں بھی وہ پرچم بار بار نظر آتا رہا۔

تو یوس اور فرانس کے مچ کے دوران یونیس کا ایک حامی فلسطینی پرچم اپڑتا ہوا میدان میں آ گیا تھا، پھر سیکورٹی پر مامور عملے نے اسے زبردستی باہر نکلا۔ اس دوران اسٹیڈیم میں فلسطین فلسطین کے نفرے لگتے رہے۔

اسی طرح مرکاش کے کھلاڑیوں نے بھی پہلے کنینڈا کو شکست دے کے راونڈ آف امرحلے میں پہنچنے اور پھر اسپین کو شکست دے کر کوارٹر فائل میں جگہ بنانے کے بعد میدان میں فلسطینی پرچم اپڑا۔ مراکشی شاائقین دوہم کے سوچ واقف اسٹیڈیم میں فلسطین کے حوالے سے ایک معروف نظم بھی گنگنا تے نظر آئے۔

اکثر مقابلوں میں تو یہ بھی دیکھا گیا کہ مچ کے ۲۸۲ میں فلسطینی پرچم اپڑائے گئے اور فلسطین کے حق میں نفرے لگائے گئے۔ یہ دراصل ۱۹۷۸ء کے علیت کی یاد میں کیا گیا۔ اس ساتھ میں لاکوں فلسطینیوں کو بے گھر کر کے انہیں نقل مکانی پر مجبور کر دیا گیا تھا۔

ایسا بھی نہیں ہے کہ صرف عرب شاائقین ہی فلسطین کے

تقریب میدانوں میں، شاائقین کے درمیان، سڑکوں پر اور سوچل میڈیا پر فلسطین کے جتنے پرچم نظر آتے اور جتنے نظرے سنائی دیے اسے دیکھتے ہوئے یہ خیال آتا ہے کہ شاید اس عالمی کپ میں شامل ۳۲ ممالک میں فلسطین بھی شامل ہے۔ حتیٰ کہ لاطینی امریکی میڈیا نے تو اسے ورلڈ کپ میں شامل ۳۳ واں ملک بھی قرار دے دیا۔

لیکن حقیقت میں تو فلسطینی یہی اس ٹورنامنٹ کا حصہ نہیں تھی، تو پھر یہاں فلسطین کی اس قدر موجودی کیسے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ فینا عالمی کپ کھیلوں کے مقابلے سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے اور یہاں دنیا بھر سے مقابلہ شاائقین آتے ہیں۔

روں سال کا فینا عالمی کپ کسی بھی عرب ملک میں ہونے والا پہلا عالمی کپ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جغرافیائی اور ثقافتی اعتبار سے یہاں تک رسائی زیادہ آسان تھی۔ اس نے خطے کے لوگوں کو کسی خوف کے بغیر بڑی تعداد میں جمع ہونے کا موقع بھی دیا۔ نتیجے کے طور پر فلسطین خود نو مرکزی موضوع بن گیا، جس نے عربوں کو خوشی اور جشن کے ماحول میں متjur کھانا اور انہوں نے فلسطین کے حوالے سے اپنے عزم کا اعادہ بھی کیا۔

فلسطین کی یہ حیات دراصل اظہارائے کی آزادی کے ساتھ ساتھ مراحت کی علامت بھی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ مراحت صرف فلسطین پر نفع کے خلاف نہیں بلکہ جابر عرب حکومت کے خلاف بھی۔ اس صورت حال میں ایک دہائی قبل عرب دنیا میں شروع ہونے والے عوامی مظاہرے یاد آ جاتے جن میں لوگ

باقیہ: بہگلا دلیش، پاکستانی حکام اور بھارتی دلائل

بنانے کے لیے سفارتی تگ دو کرنا۔ راگھوان کا کہنا ہے کہ دارالحکومت ڈھا کا سمیت پورے مشرقی پاکستان پر قبضہ کرنے اور پاکستانی افواج سے غیر مشروط تھتھیار ڈالنے کا فیصلہ جنگ کے آخری چند دنوں میں لیا گیا تھا۔ دارالحکومت ڈھا کا پر قبضہ غیر ضروری اور حد سے زیادہ خواہ شایدیا گیا۔

اس ابتدائی پلان میں تیار گیا تھا کہ بھارتی فوج کے لیے پدم اور میگھنا دریاؤں کو بغیر پلوں کے پار کرنا ناممکن ہوگا۔ صرف یہودی چیف آف اسٹاف میجر جزل جے ایف آر جیکب نے اصرار لیا تھا کہ اگر ڈھا کا، جو مشرقی پاکستان کا ”جو پولپیشکل دل“، ہے پر قبضہ نہ کیا گیا تو پورا آپریشن بے نتیجہ رہے گا۔ مگر اس کی تجویز مسٹر کر دی گئی لیکن جنگ کے آخري مراحل میں جیکب کی تجویز قبول کی گئی کیونکہ راگھوان کے مطابق مشرقی پاکستان میں بھارت کی فارمیشنز میں کچھ جو نیز، ڈھا کا کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر مشرقی پاکستان کے گورزار ایم ملک کے فوجی مشیر میجر جزل راؤ فرمان علی خان نے ڈھا کا میں پرمائن حکومت کے قیام اور پاکستانی افواج اور دیگر اسٹاف کو محفوظ طین وال پسی کی تجویز پیش کی، اس میں ہتھیار ڈالنے کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ بھارتی حکام اس پر غور کر رہی رہے تھے کہ پاکستان کے فوجی حکمران جزل بھی خان نے فرمان علی کی تجویز کو یہ کہتے ہوئے مسٹر کر دیا کہ یہ ایک آزاد بہگلا دلیش کو تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔ چند روز بعد جب جزل مائیک شائے پاکستانی فوج کے کمانڈر جزل اے کے نیازی کو ہتھیار ڈالنے کے لیے کہا تو قبول راگھوان وہ آسانی سے راضی ہو گئے۔ صدریکی خان نے بھی اس پر مہر لگائی۔ آخر چند روز قبول جزل فرمان علی کی تجویز کیوں مسٹر دیکی گئی، ہنوز ایک معہدہ ہے۔ شاید جاتے جاتے جزل با جوہ کو اس کا بھی جواب دینا چاہیے تھا۔

(حوالہ: روزنامہ ”نیوز“، کراچی ۲۰ ستمبر ۲۰۲۲ء)

اسلامک ریسرچ اکیڈمی کا شائع کردہ جدید ایڈیشن

حدیثِ نبوی اور سائنسی علوم

مولانا عبدالحق ہاشمی

قیمت: ۵۰۰ روپے

اکیڈمی بک سینٹر۔ فون: 021-36809201

آزاد نہیں ہو جاتا اور ایسا تب تک نہیں ہو گا جب تک پورا خطہ حقیقی معنوں میں آزاد نہیں ہوتا۔

غاصب اسرائیلی ریاست تب تک برقرار رہے گی جب تک آمرانہ اور غیر جمہوری حکومتیں اپنے عوام کی آواز کو نظر انداز کرنی رہیں گی۔

اسرا ایلی سفارت کاروں نے مبینہ طور پر اسرائیلی شہریوں کے ساتھ کیے جانے والے سلوک پر عدم اطمینان کا انہمار کیا ہے اور فیفا اور قطر سے اپنے صحافیوں کی حفاظت اور آرام کو نقیبی بنانے کا مطالبہ کیا ہے۔

اس کے جواب میں کچھ لوگوں نے ان فلسطینی صحافیوں کی طویل فہرست کی جانب بھی توجہ دلوائی ہے، جنہیں اسرائیل نے بدسلوکی کا نشانہ بنایا، انہیں گرفتار کیا یا پھر نہیں قتل کیا۔ ان صحافیوں میں الجزریہ سے تعلق رکھنے والی شیریں ابو علیج بھی شامل ہیں، جن کی تصویریں فیفا ورلڈ کپ کے دوران بھی نظر آئیں۔

فیفا ورلڈ کپ میں فلسطین کی اس طرح موجودگی عالمی برادری کے لیے ایک یادو ہانی ہے کہ فلسطین کی صورت حال ناقابل برداشت ہے اور اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ فلسطینیوں کو ہلاک کیا جا رہا ہے، بے گھر کیا جا رہا ہے، جلاوطن کیا جا رہا ہے، ڈریا جا رہا ہے اور گرفتار کیا جا رہا ہے، جس کا کوئی حل نہیں ہے۔ اسرائیلی حکومت اب انتہائی دلائیں بازو کی جماعتوں کے تھاد کے پاس ہے جس سے فلسطینیوں کے

خلاف نسل پر ستانہ شد بڑھنے کا خطہ پیدا ہو گیا ہے۔ ورلڈ کپ میں فلسطینیوں نے اپنی بیکاٹ، تقسیم اور پابندیوں کی تحریک (BDS) کو مضبوط کر لیا ہے۔ یوکرین اور اس کے حامی فیفا اور یو ای ایف اے کو قائل کرنے میں میں سفر کرنے کی اجازت بھی مل گئی تھی، لیکن شاید انہیں یہ غلط فہمی بھی ہو گئی تھی کہ ان ممالک میں ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا جائے گا۔ اسرائیلی میڈیا نے یہی روپورٹ کیا کہ قطر میں اسرائیلی شاائقین کو کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس کے مطابق جیسے ہی دوسروں کو معلوم ہوتا کہ کوئی اسرائیلی شہری ہے تو اسے ریسٹورنٹ اور ٹیکسیوں سے نکال دیا جاتا ہے۔ اسرائیل میں اب یہ احساس بڑھتا جا رہا ہے کہ شاید تعلقات بحال کرنے کی کوششیں اتنی بار آور ثابت نہیں ہوئیں جتنی کہ امید تھی۔

جبکہ تک عربوں کی بات ہے تو وہ یہ جانتے تھے کہ امن معاهدے صرف کاغذ کا کٹرا ہیں، اور ان پر جن حکومتوں کے دخنخڑی ہیں وہ عوام کی نمائندگی نہیں ہیں۔ ان کے دل اس وقت تک فلسطینیوں کے ساتھ دھڑکتے رہیں گے جب تک فلسطین

کوشش کرتے ہیں لیکن ناکام رہتے ہیں۔ لبنانی، سعودی، مرکاشی، اردنی، قطری، یمنی، تیونی اور فلسطینی شہریوں کے ساتھ ساتھ جا پانی، برازیلی، ایرانی اور دیگر شاائقین بھی اسرائیلی میڈیا کو نظر انداز کرتے ہوئے دیکھے گئے۔ ایک سعودی شاائق نے تو کیسرے پر اسرائیلی صحافی کو یہاں تک کہہ دیا کہ ”هم آپ کو یہاں خوش آمدید نہیں کہتے، اگرچہ یہ قطر ہے لیکن پھر بھی یہ ہمارا ملک ہے۔ دنیا میں اسرائیل نام کا کوئی ملک نہیں ہے، صرف فلسطین ہے۔

ایک اور ویڈیو میں دیکھا گیا کہ انگلینڈ کے کچھ شاائقین اسرائیلی صحافی کے سوالوں کا جواب دینے کھڑے ہوتے ہیں۔ صحافی کی جانب سے سوال کیا جاتا ہے کہ کیا ورلڈ کپ ٹرینیٹی ایکنڈ جائے گی؟ اس پر وہ شاائقین جواب دیتے ہیں کہ بالکل جائے گی لیکن اس سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ فلسطین کو آزادی دی جائے۔

اسرا ایلی میڈیا کو اس حد تک مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کہ کچھ صحافی تو خود کو پہنگا، جمنی، ایکواڈر یا کسی اور ملک کا صحافی بتانے لگے۔ ایک اسرائیلی صحافی نے نگ آکر مرکاش کے ایک شاائق کو کہا کہ ہمارے ممالک کے درمیان امن ہے، آپ لوگوں نے امن معاہدے پر دخنخڑ کیے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی وہ مرکاش فین جاتے جاتے یہ کہہ کر گیا کہ اسرائیل نہیں فلسطین۔

یہ بات درست ہے کہ ۲۰۲۰ء میں مرکاش، بحرین، متحده عرب امارات اور سوڈان نے اسرائیل کے ساتھ تعلقات بحال کر لیے تھے جس کے بعد اسرائیلی شہریوں کو ان ممالک میں سفر کرنے کی اجازت بھی مل گئی تھی، لیکن شاید انہیں یہ غلط فہمی بھی ہو گئی تھی کہ ان ممالک میں ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا جائے گا۔ اسرائیلی میڈیا نے یہی روپورٹ کیا کہ قطر میں اسرائیلی شاائقین کو کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس کے مطابق جیسے ہی دوسروں کو معلوم ہوتا کہ کوئی اسرائیلی شہری ہے تو اسے ریسٹورنٹ اور ٹیکسیوں سے نکال دیا جاتا ہے۔ اسرائیل میں اب یہ احساس بڑھتا جا رہا ہے کہ شاید تعلقات بحال کرنے کی کوششیں اتنی بار آور ثابت نہیں ہوئیں جتنی کہ امید تھی۔

جبکہ تک عربوں کی بات ہے تو وہ یہ جانتے تھے کہ امن معاهدے صرف کاغذ کا کٹرا ہیں، اور ان پر جن حکومتوں کے دخنخڑی ہیں وہ عوام کی نمائندگی نہیں ہیں۔ ان کے دل اس وقت تک فلسطینیوں کے ساتھ دھڑکتے رہیں گے جب تک فلسطین

بنگلادیش، حزب اختلاف کی ناکامی

ڈاکٹر فیروز محبوب مکال

ان کے اتحادی لے گئے۔ جمہوری ممالک میں انتخابات اس لیے کروائے جاتے ہیں تاکہ عوام کو ووٹ کا حق دیا جائے لیکن بنگلادیش میں انتخابات اس لیے کروائے جاتے ہیں تاکہ عوام کے ووٹوں پر ڈاکٹر ادا جائے۔

یہ بات بہت ہی مایوس کن ہے کہ اپوزیشن جماعتیں ۲۰۱۳ء کے انتخابات میں شیخ حسینہ واجد کی کامیابی پر خاموش رہیں۔ اس وقت انہوں نے اس طرح کا احتجاج نہیں کیا جیسا کہ آج کیا جا رہا ہے۔ ۵ برسوں تک تو وہ حسینہ واجد کے اقتدار کے خلاف متحوکر کوئی تحریک بھی شروع نہ کر سکے۔ جب ملک پر دشمنوں کا قبضہ ہو رہا ہے تو اس وقت پچھہ نہ کرنا بھی جرم ہوتا ہے۔ ۲۰۱۳ء کے انتخابات چوری کرنے کے بعد شیخ حسینہ واجد مزید پر اعتماد اور مزید بے رحم ہو گئیں۔ انہوں نے لوگوں کو ماورائے عدالت قتل کروانے، جبری گشادیوں، اپوزیشن رہنماؤں کو پچھانی دینے اور نہتے اسلام پسندوں کی نسل کشی کے اپنے منصوبے کو آگے بڑھایا۔ سیکڑوں اسلامی اسکالاریج بھی سلاخوں کے پیچھے ہیں۔

تاریخ کی سب سے بڑی اور بدترین ڈیکٹی
۳۰ دسمبر ۲۰۱۸ء کو شیخ حسینہ واجد نے وہ مجرمانہ فعل انجام دیا کہ انتخابات سے ایک رات قبل پولیس اور حسینہ واجد کے غندوں نے ہر پونگ مرکز پر دھاوا بولا اور بیلٹ بیپر اپنے بقیتے میں لے کر حسینہ واجد کے حمایت یا نہایت امیدوار کے نشان پر مہریں لگادیں۔ یہ چوری پورے ملک میں انجام دی گئی، نتیجے کے طور پر حسینہ واجد نے پارلیمان کی ۳۰۰ نشستوں میں حصہ مل کر اسی میں صرف ۷ سے ۲۹۳ حاصل کر لیں جبکہ اپوزیشن کے حصے میں ۳۰ نشستیں آئیں۔ بھارتی حکومت نے بھی حسینہ واجد کے اقدام میں ان کی مدد کی۔

یہ بڑی مایوسی کی بات ہے کہ بی این پی کو اس نتیجے پر پہنچنے میں ۱۵ اسال گئے کہ شیخ حسینہ واجد کو ہٹانے کے لیے یہ کاتی تحریک کی ضرورت ہے جبکہ ایک مہذب ملک میں چوریا ڈاؤ کو ایک گھنٹے کے لیے بھی برداشت نہیں کیا جاتا۔ اس کے برعکس بنگلادیش میں ایک چور نے اقتدار کی اعلیٰ ترین کرسی چھین لی ہے اور وہ ۱۵ اسال سے اقتدار میں ہے۔ یہ ایک ملک اور اس کے عوام کی سراسر بے عزتی ہے۔

بطور مسلمان ناکامی

ایک مسلمان کے لیے چوری، ڈاکٹرنی اور نا انصافی کو مٹانے کی اپنی ایک اہمیت ہے۔ یہ مسلمان کا ایمانی فریضہ ہے۔ قرآن پاک میں سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۱۵ میں

مزید طویل ہوتی گئی۔ مضبوط حزب اختلاف والے ملک میں اس طرح کی حکومت کو کبھی طول نہیں دیا جاتا۔ حزب اختلاف کی جانب سے شیخ حسینہ کو ہٹانے کی تحریک اسی وقت شروع کردیئی چاہیے تھی جب ۲۰۱۳ء کے انتخابات چوری کیے گئے تھے۔ لیکن بی این پی اور دیگر اپوزیشن جماعتیں ایسا کرنے میں ناکام رہیں۔ حزب اختلاف کی اس ناکامی کی وجہ سے حسینہ واجد کو اپنی مجرمانہ پالیسیوں پر عمل کرنے کا موقع ملا۔ ۲۰۱۳ء میں ملک بھر میں حسینہ واجد مخالف بڑی عوامی تحریک چلی تھی، حکومت گردنے کے قریب تھی، لیکن بی این پی اور اس کے اتحادی تحریک کو کامیابی کی طرف لے جانے میں کمل طور پر ناکام رہے۔ دراصل یہ حزب اختلاف کی قیادت کی ناکامی تھی۔

۱۰ دسمبر ۲۰۲۲ء کو ۱۰ اراکھ سے زائد افراد نے ڈھا کا میں چوری کرنے کے مقاصد بھی بھی پوشیدہ نہیں تھے۔ ووٹ جماعت بنگلادیش نیشنل پارٹی (بی این پی) نے فاشٹ شیخ حسینہ واجد کی حکومت ختم کرنے کے لیے یہ نکاتی عوامی تحریک کا اعلان کیا ہے۔ تاہم بی این پی نے یہ جرأت مندانہ حکمت عملی اختیار کرنے میں بہت تاخیر کر دی ہے۔ ۲۰۰۸ء کے بعد سے اپنے ۱۵ اسالہ اقتدار میں شیخ حسینہ واجد ملکی معیشت، سیاست، تعلیم، عدالیہ، فوج اور پولیس کو بے تحاشہ نقصان پہنچا چکی ہیں۔

حسینہ واجد نے ملک کے سوں اور ملٹری اداروں کو تقریباً تباہ کر دیا ہے۔ انہوں نے ان اداروں کو صرف اپنی بدعنوی اور دھونس کا غلام بنایا ہے۔ اخبارات میں خبر آئی کہ ملکی ذخائر سے ۴ ارب ڈالر غائب ہو گئے ہیں۔ سرکاری اور پرائیویٹ بیکوں سے اربوں تک لوٹے جانے کی بھی اطلاعات ہیں۔ بنگلادیش کے سب سے بڑے بیک اسلامی بینک سے سماڑھے سات ہزار کروڑ تک لوٹے گئے ہیں۔ یہ کام حسینہ واجد کے ساتھیوں نے جعلی کمپنیوں، جعلی مستاویات اور جعلی پیوں کے ذریعے کیا ہے۔ ابھی تک ان الزمات کی تحقیقات کے لیے کوئی حکومتی اقدام نہیں ہوا اور نہیں حکومت کی طرف سے اس کی کوئی تردید آئی ہے۔

محرمانہ بے عملی
بی این پی اور دیگر سیاسی جماعتوں کو ماضی کی ان غلطیوں سے سبق سکھنا چاہیے، جن کی وجہ سے حسینہ واجد کی مجرمانہ حکمرانی

اور خودکشی کے متراوٹ ہے۔ اس طرح کی حکمت عملی نہ مانی میں کام آئی ہے اور نہ مستقبل میں کام آئے گی۔ اس اہم موڑ پر کسی بھی اپوزیشن پارٹی کی کسی بھی قسم کی توہین حسینہ واجد کو ہی مدد دے گی، وہ تو چاہیں گی کہ اپوزیشن مخدمنہ ہو۔

یہاں اسلام پسند قولوں کا بھی کچھ فرض بتا ہے۔ اسلام کے دشمنوں کے خلاف جنگ میں غیر چاندرا اور غیر غال رہنا جرم ہے۔ حسینہ واجد نے خود کو اسلام دشمن اور ہندو طاقتوں کی دوست ثابت کیا ہے۔ لہذا اس معمر کے اس اہم لمحے میں خاموش تماشائی بنے رہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مجرموں کے خلاف لڑنا کسی مسلمان کے لیے سیاست نہیں ہے، یہ بہت بڑی عبادت ہے، یہ اسلام میں جہاد ہے۔ عوام ان کے کردار تقریب سے دیکھ رہے ہیں۔ گواہی تحریک سے ان کی بیگانگی عوام سے ان کی بیگانگی میں اضافہ ہی کرے گی۔ اس طرح دیساست میں اپنی جگہ کھو سکتے ہیں۔

بڑے مظاہروں میں ہونے والا حالیہ اضافہ حسینہ واجد حکومت کی بے پناہ بدعتوں، جرام اور انتہائی خراب طرز حکمرانی کے خلاف لوگوں کے شدید غم و غصے کی وجہ سے ہوا ہے۔ حسینہ واجد کے جرام سے تنگ آ کر ہی عوام میں بیداری کی لہر آئی ہے۔ حسینہ واجد نے تو اپنا کام کر دکھایا ہے۔ اب اپوزیشن لیڈر کو اپنا کام کرنا ہو گا۔

بنگلادیش کے تحریر کعام لوگوں کو بحث تقریروں کی نہیں بلکہ حزب اختلاف کی جانب سے دلیر قیادت کی ضرورت ہے۔ یہ عوامی غصہ حسینہ واجد حکومت کو ختم کرنے کے لیے ایک طاقتور تھیار ثابت ہو سکتا ہے بشرطیکہ بی این پی اور دیگر اپوزیشن رہنماؤں پیاسی ذہانت، جرأت اور سمجھداری کا مظاہرہ کریں۔ ورنہ عوام ان رہنماؤں کو کبھی معاف نہیں کریں گے۔

"Bangladesh: A tale of success of a robber and the failure for the opposition".

(drfirozmahboobkamal.com). Dec . 12, 2022)



لقيه: انگلستان، ويلز میں مسیحی اقلیت بن گئے
مردم شماری کے منتخب حصے جاری کیے ہیں۔ جاری کیے جانے والے تازہ ترین اعداد و شمار نہب اور انلی ٹنوع متعلق ہیں۔ اسکا ٹیلینڈ اور شامی آرٹلینڈ کے اعداد و شمار اگل جاری کیے جا رہے ہیں۔

(ترجمہ: محمد ابراهیم خان)

"Christians now a minority in England and Wales, census released".

(Daily "Dawn" Karachi. Nov. 30, 2022)

کی ڈیپ اسٹیٹ پر قابض ہیں اور تحدیجی۔ وہ حسینہ کے جرام میں شرکت دار بھی ہیں۔ حسینہ واجد ان کے عیش و عشرت کے لیے اربوں لکے خرچ کرتی ہیں لہذا یہ سوچنا دافی ہو گی کہ یہ عناصر شیخ حسینہ کو آسانی سے دھوکا دے دیں گے۔ یہ لوگ سیاست، پولیس، فوج، بیورو کریسی اور عدالیہ پر بھی حاوی ہیں۔ بی این پی ان تمام شیطانی قولوں کے اس بڑے اتحاد کا تھہا کیسے مقابلہ کر سکتی ہے؟

بی این پی کے رہنماؤں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اگر حسینہ واجد کو بٹایا گیا تو سب سے زیادہ فائدہ انہیں ہو گا۔ اس لیے انہیں تحریک کی صاف اول میں رہنے کی ضرورت ہے اور سب سے زیادہ قربانیاں بھی انہیں ہی دینا ہوں گی۔ بی این پی رہنماؤں کو یہ بھی لینا چاہیے کہ حسینہ واجد کو ہٹانے کا کام بی این پی اکیلے کبھی نہیں کر سکتی۔ اس کے لیے تمام اپوزیشن جماعتوں کو تحریک کرنے کی ضرورت ہے۔

بی این پی کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ شیخ حسینہ صدر جزل ارشاد جیسی نہیں ہیں۔ وہ ان سے زیادہ مضبوط ہیں۔ اپنے آخری دنوں میں جزل ارشاد فوج کی حمایت سے محروم ہو گئے تھے جو کہ ان کا واحد قابل اعتماد حلقت تھا۔ لیکن فوج اب بھی حسینہ واجد کے ساتھ کھڑی ہے۔ اس کی ایک وجہ ہے۔ عوام کے پیسے پرلوٹ مار کا سب سے زیادہ فائدہ فوج کو ہوتا ہے۔ جزل ارشاد کے دور میں بھی فوج کو ایسا فائدہ نہیں ہوا تھا۔ مزید یہ کہ جزل ارشاد کے پاس بھارت جیسا مضبوط جماعتی نہیں تھا۔ بھارتی ہندو تو حکمران قولیں بھی نہیں چاہیں گی کہ ان کا اپنا کھلاڑی سیاست کا یہ کھیل ہار جائے۔

آگے بڑھنے کا راستہ

بنگلادیش کی ایک سیاسی جماعت کا ملک نہیں ہے۔ یہ تمام جماعتوں کا ہے۔ اسے تقسیم کرنے کی کوئی بھی پالیسی نہ صاندھ ہو گی۔ پچنکہ ملک شیطانی قولوں کے قبضے میں ہے، اس لیے ہر شہری کا فرض ہے کہ وہ حسینہ واجد کی شیطانی حکومت سے نجات کے لیے ہر ممکن کوشش کرے۔ اپوزیشن میں تقسیم حسینہ واجد کو فائدہ ہی پہنچائے گی۔ لیکن، ہمیں ابھی ملک کی ایک اسٹریٹجی کا نیا نظریہ ہے۔ اسے اپنے ایک کام کی طرف کو جنم دے سکتا ہے۔

الله سبحانہ و تعالیٰ نے مسلمانوں کو زمین پر ہترین انسان قرار دیا ہے۔ اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ بھی بتائی ہے۔ یہ پانچ وقت کی نماز، رمضان کے روزے، حج یا خیرات نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کا بنیادی مقصد ہے۔ وہ مقصد زمین پر سے ہر قسم کی برائی کو ختم کرنا اور انصاف قائم کرنا ہے۔ کسی دوسرے مذہب کے پیروکار زندگی میں اس طرح کامش نہیں رکھتے۔

یہ شرم کی بات ہے کہ ۶۱ فیصد مسلمانوں کی سر زمین بنگلادیش نے اس کے برکت راستہ اختیار کیا ہے اور ایک ڈاک کو گلوبٹ کے سربراہ کے طور پر برداشت کیا۔

بی این پی ماضی کی ناکامیاں اور مستقبل کے چیخیں یہ بات بھی انتہائی مھکمل خیزگ رہی ہے کہ ناجائز پاریٹ میں ۲۰۲۲ء میں رہنے کے بعد حال ہی میں بی این پی کے رے ارکان اس بیلی نے استغفار دے دیا ہے۔ استغفار کا اعلان ۱۰ دسمبر ۲۰۲۲ء کو کیا گیا، اگر ان میں جمہوریت سے محبت اور وٹوں کی لوث مار کے خلاف نفرت ہوتی تو وہ چوری کے انتخابات کے اگلے ہی دن اپنی نشتوں سے استغفار دے دیتے۔

بی این پی اور دیگر حزب اختلاف جماعتوں کو ۲۰۲۳ء کے دھاندنی زدہ انتخابات کے بعد سے فاشٹ شیخ حسینہ کو ہٹانے کی یک کاتی تحریک شروع کرنی چاہیے تھی۔ وہ یہ سیاسی ذمہ داری نہ جانے میں ناکام رہے۔ یہی وجہ ہے کہ بنگلادیش میں اب جو بھی ظلم اور نا انسانی ہے، وہ نہ صرف فاشٹ حسینہ واجد کی مجرمانہ حکمرانی کی مرہوں منت ہے، بلکہ بی این پی اور دیگر اپوزیشن جماعتوں کی نادان اور ناکام قیادت بھی اس کی ذمہ دار ہے۔

اختلاف صرف ناکامیوں کا باعث بنے گا جب بھی کوئی ملک بری طاقتوں کے قبضے میں ہوتا ہے تو اس قبضے کے خاتمے کے لیے اتحاد بہت ضروری ہے۔ بدتریتی سے اپوزیشن جماعتوں اب بھی منقسم ہیں۔ ملک کی سب سے بڑی جماعت بی این پی تمام اپوزیشن جماعتوں کے اتحاد میں کم ہی دوچیپی لیتی ہے۔ اس لیے اب تک کوئی متحدہ ماحصلہ نہیں بنایا۔ بی این پی کے رہنماء بہت زیادہ پر اعتماد نظر آتے ہیں۔ ممکنہ طور پر، وہ محسوں کر رہے ہیں کہ شاید وہ اکیلے کام کر سکتے ہیں۔ اس طرح کا احساس ماضی کی طرح اپوزیشن کمپ میں مزید ناکامیوں کو جنم دے سکتا ہے۔

کیا بی این پی کے رہنماؤں کو یقین ہے کہ وہ حسینہ کو اقتدار سے بے دخل کرنے کا کام اکیلے کر سکتے ہیں؟ اگر وہ ایسا سوچتے ہیں تو انہیں ملک میں موجود تمام جمہوریت دشمن فاشٹ قولوں کا مکمل اندازہ ہونا چاہیے۔ یہ بری طاقتیں ملک

جزائر تاریخی یا جغرافیائی طور پر ہندوستان کا حصہ نہیں ہیں۔ وہ برطانوی ملکیت ہیں اور دوسرے چیف کمپنی کے صوبوں کی طرح اسی زمرے میں نہیں ہیں، جو کہ ۱۹۴۵ء کے آئینے

ایکٹ کے تحت گورنر جنرل کے لیے محفوظ ہیں۔ ان جزر پر پاکستان کا دعویٰ بہت مضبوط ہے کیونکہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان رابطے کا واحد ذریعہ سمندری راستہ ہے اور یہ جزر سمندری راستوں پر اہم اسٹریچ پوزیشن پر قابض ہیں اور ایندھن بھرنے کے اڈے فراہم کرتے ہیں۔ اس لیے انہیں پاکستان کا حصہ بننا چاہیے۔

قائد اعظم محمد علی جناح نے برطانوی وزیر اعظم گیٹن اسٹلی اور اپوزیشن لیڈر نوٹن چرچل کو بھی باور کرنے کی کوشش کی کہ اگر ان کی حکومت ان جزر کے متعلق کوئی فوری فیصلہ نہیں کر پاتی ہے تو کم از کم ان کو اندھیا اندھپنڈنس ایکٹ کے زمرے سے باہر کھا جائے۔ ان کا اصرار تھا کہ بھارت میں ان کی شمولیت پاکستان کے ساتھ صریح انصافی ہوگی اور برطانوی پارلیمنٹ کو اس پر غور کرنا چاہیے۔ خیر اندھیا برما کمیٹی نے فیصلہ صادر کر دیا کہ وہ گورنر جنرل ماؤنٹ بیٹن سے اتفاق رکھتی ہے۔ اس لیے یہ جزر ۱۹۵۰ء میں بھارت کے حوالے کر دیے گئے اور وہاں لیفٹینٹ گورنر کی تعیناتی کی گئی۔ اس کا درجہ دے کر وہاں لیفٹینٹ گورنر کی تعیناتی کی گئی۔ اس وقت ان جزر پر بھارت کی تیوں مسلح افواج کی مشترکہ کمانڈ موجود ہے، جو مشرقی ایشیا کے راستوں خاص طور پر ملا کہ بحری گز رگاہ کی دیکھ رکھتی ہے۔

مورخ سری ناتھ راگھوون کے مطابق ۱۹۷۱ء میں بھارت کی فوج کشمی کا مقصد ابتداء میں مشرقی پاکستان کے کچھ علاقے پر قبضہ کر کے اس کو پاکستان کے فوجی تسلط سے آزاد کروانا تھا۔ ڈھاکا کی طرف فوجی مارچ کرنا پاکستانی فوج کو تھیساڑا نے پر محروم کرنا پلان کا حصہ نہیں تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ جس فوجی آپریشن کی مظنوی وزیر اعظم اندر اگاندھی اور فوجی سربراہ جنرل سام مانک شانے دی تھی، اس کے مقاصد مشرقی پاکستان کے کافی بڑے حصے پر قبضہ کر کے ۱۹۷۱ء میں ریفووجوں کو آپا کرنا تھا جو ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کے بعد سے بھارت فرار ہو گئے تھے۔ عوامی لیگ کے لیڈر شیخ محب الرحمن کی قیادت میں اس علاقے میں ”بگلا دیش“ قائم کرنا اور پھر ”بگلا دیش“ کی آزادی کی راہ ہموار کرنے کے لیے مشرقی پاکستان سے پاکستانی افواج کے انخلاء کو یقین

بنگلا دیش، پاکستانی حکام اور بھارتی دلائل

﴿انتخار گیلانی﴾

دوسری طرف اندھومن گکوبار پر کئی سال تک تذبذب کی

کیفیت رہی، کیونکہ ابتداء میں برطانیہ ان کو اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا۔ مگر پاکستانی حکومت کی دلیل تھی کہ یہ جغرافیائی اور تزویری اتنی

طور پر اس کے لیے ضروری ہے، اس لیے ان کو اس کی مملکت میں شامل ہونا چاہیے۔ کیونکہ بھارت کبھی بھی اور کسی بھی وقت

مغربی اور مشرقی پاکستان کے درمیان نقل و حمل کو روک سکتا

ہے، اس لیے ان دونوں بازوؤں کے رابطے کے لیے بھیرہ

عرب میں لکشید یپ اور خلیج بگال میں اندھومن گکوبار پر پاکستان

کا دعویٰ لازمی ہے۔ کراچی سے ڈھاکا کا گانگ جانے

والے جہازوں کے لیے ایندھن بھرنے کی سہولیت کی خاطر بھی

یہ جزر اپر پاکستان کے لیے ضروری تھے۔ اندھومن گکوبار کے

لیے برطانیہ کی سربراہی میں اندھیا برما کمیٹی کے تحت کئی بار

دونوں ممالک کے درمیان گفت شنید ہوئی اور دستاویزات کا

تبادلہ ہوا۔ بھارت کے پہلے وزیر اعظم جواہر لال نہرو نے

دلیل دی کہ اندھومن گکوبار کے ۸ ہزار مربع کلومیٹر پر محیط

۲۵۷ جزر میں، جن میں ۳۷ آباد ہیں، کی ۳۷ ہزار کی آبادی

میں سے ۱۱ ہزار ہندو، سکھ اور بدھ مت سے تعلق رکھتے ہیں۔

۱۱ ہزار کے قریب مقامی قبائلی ہیں، جن کا کوئی نہ ہب نہیں ہے

اور آٹھ ہزار کے قریب مسلمان ہیں، جو زیادہ تر تقدیمیوں کی

صورت حال میں لائے گئے تھے اور پھر ان ہی جزر میں مس گئے

مکن نہیں تھا۔ دستاویزات کے مطابق جس طرح جموں و

کشمیر، جو ناگر ہو اور حیر آباد پر بھارت نے الگ الگ

موقف اختیار کر کے ان کو اپنی یونیس میں شامل کر دیا، بالکل

اسی طرح کا معاملہ لکشید یپ اور اندھومن گکوبار جزر کے

ساتھ بھی پیش آیا۔ ۳۶ ہزار پر مشتمل لکشید یپ میں ۹۶ نیصد

آبادی مسلمان تھی۔ برطانوی عملداری میں مدراس پر یونیورسی

ان کو نکشوں کرتی تھی۔ یہ علاقہ ٹپو سلطان کی مملکت میں شامل

تھا اور ان کی موت کے بعد برطانیہ کے قبضے میں آگیا تھا۔

آزادی کے بعد اس غدشہ کے پیش نظر کے مسلم اکثریتی علاقہ

ہونے کی وجہ سے یہ کہیں پاکستان میں شامل نہ ہو جائے،

ان کو بھارت کے پہلے وزیر داخلہ سردار پٹلیں نے بھری کوئی الغور ان

جزائر کو نکشوں حاصل کرنے کا حکم دے دیا۔ بتایا جاتا ہے کہ

چند روز بعد پاکستانی بھری یا اس علاقے میں پہنچی تھی، مگر تباہ تک

بھارتی افواج نے اس کا مکمل کو نکشوں حاصل کر لیا تھا۔

/// باقی صفحہ نمبر ۲ ///

کرنا ان مسائل کا پاسیدار حل نہیں ہے یہ سب آنے والے عشرے میں بدترین خطروں کا اشارہ ہیں، وہ خطرے جو ہمارے رہنمائی اندماز کرے ہیں حالانکہ یہ بات صاف ہے کہ پچھلے ۷ برس سے جن چیزوں کو نظر انداز کیا جا رہا ہے وہ اب خطرات اور تباہی کی شکل میں سامنے کھڑی ہیں۔

مستقبل میں یہ امکان موجود ہے کہ یہ تمام خطرے سچ ہو جائیں اور یکے بعد دیگرے آنے والی تباہ کاریاں ہمیں ایک تباہ کن چکر میں پھنسادیں جس کی وجہ سے ہمیں معاشری طوفان، غیر ملکی میتھیت، معاشری اور معاشرتی تباہ کاریوں اور بدترین جگہ کا سامنا کرنے پر کمراس کے علاوہ ایک اور مستقبل بھی ملنے ہے، ایک ایسا مستقبل جہاں تباہی کم ہو، جہاں عالمی حکمرانی مل کر اہم اور ٹھوس قوانین تکمیل دیں، تاکہ ہم شکل راستوں پر چلتے ہوئے آدمی صدی سکون اور امن سے گزار سکیں۔

یہ اہم ہے کہ ہمارے حکمران ایسے خطروں سے آگاہ رہیں تاکہ انہیں کسی نقصان سے پہلے ہی حل کیا جاسکے۔ جب تک ناکارہ اور یک طرفہ حکومتیں اور تحرک جغرافیائی سیاسی و شنیاں ہمیں عالمی اشتراک اور اتحاد و تعاون سے روکتی رہیں گی تب تک ہمارا مستقبل تباہی کے دہانے پر نظر آئے گا۔

(ترجمہ: سیمیہ اختر)

"I predicted the 2008 crash – these are the global 'megathreats' I can see now".
("The Guardian". Nov. 5, 2022)



اسلامک ریسرچ اکیڈمی کی نئی کتاب

اوراقِ سیرت ﴿عَلَيْهِ السَّلَامُ﴾

مولانا سید جلال الدین عمری

قیمت: ۳۰۰ روپے

اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی

اکیڈمی بک سینٹر، D-35، بلاک-5
فیڈرل بی بی ایریا، کراچی۔ فون: 021-36809201

۲۰۰۸ء میں معاشی تباہی اور اب بڑے عالمی خطرات

Nouriel Roubini

برطانیہ جیسی ترقی یافتہ میتھیتیں بھی ترقی پذیر یا ستوں کی طرح ہو جاتی ہیں جیسے ہر سو کی حکومت، جو کہ بہت کم عمر صے رہی۔

اب جبکہ سچی مساوات، ملکیت اور ڈیجیٹل کرنی کا زمانہ ختم ہو چکا ہے۔

مگر ان سب کے علاوہ ہمارے مصیبت زدہ دور نے ہمیں مستقبل میں وسیع تر جغرافیائی و سیاسی خطرات تھے میں دیے ہیں۔ لبرل جمہوریت اور بڑھتی ہوئی نسل پرستی کے خلاف عالمی ردعمل موجود ہے، اقتدار پرست، شدت پسند باکیں اور داکیں بازو کی تیزیں آمدیں اور دولت میں عدم مساوات کو بڑھا رہی ہیں، محنت کش پیچھے رہ گئے ہیں۔ جبکہ اشرا فیہ دولت اور طاقت کو حاصل کر رہے ہیں یہ سب کچھ تجارت میں خسارے یا

تجارت میں اضافہ کی وجہ سے نہیں ہو رہا ہے بلکہ یہ آنوموش، رو بوث اور آرٹیفیشل انٹلی جنس کی وجہ سے ہو رہا ہے جو کہ ایک مستقل بے روزگاری کی طرف ایک اضافہ ہے۔ بغیر جانچ پر تال کے لئے طور پر خطرناک، مشتعل، شدت پسند پاپولٹسٹ

حکومتیں مستقبل میں اقتدار میں آئیں گی۔

زیادہ تر خطرات معاشی ہیں، مہنگائی کا طوفان اور کساد بازاری ایک ہی وقت میں موجود ہیں اور تمام قرضوں کے فوری طور پر، یوکرین میں موجود تنازع نے مغرب اور چین، روس اور شامی کو ریا کے درمیان نئے سرے سے سرد جگہ چھڑنے کا امکان بڑھا دیا ہے۔ امریکا اور چین کے درمیان تائیوان کے معاملے پر یک چھٹے چند مہینوں میں تباہ بڑھ چکا ہے اور صورتحال شدت پڑ گئی ہے۔ ایران اور اسرائیل کے درمیان تنازع کا مستقل امکان ہم سب کو غیر مختصم کر سکتا ہے۔

اس بارہ کا معاشی بحران کچھ ایسا ہو گا کہ عالمی کساد بازاری شدید اور بدترین ہو گی، قرض اور سود کے بڑھتے نتائج کی طرح چھوٹے پیمانے پر لیے جانے والے قرضوں کے پروگرام میں بھی مسائل پیدا ہوں گے۔ زندگی، مالیاتی ادارے، حکومتی ادارے اور ریاستیں اخراجات کی ادائیگی نہیں کر پا رہی ہیں، جائے اس کے کہ مہنگائی کا توڑ کرنے کے لیے سب سے زیادہ پریشان کن اور خطرناک عالمی ماحولیات اور آب و ہوا کا مسئلہ ہے۔ جس کو مستقل نظر انداز کرنا ہمارے لیے ناقابل حل معاشی اور انسانی آفات کو جنم دے گا۔ یہ

مصیبت ہمارے دروازے تک پہنچ چکی ہے۔ اس سال صرف قدرتی آفات کے نتیجے میں لاکھوں لوگ موسیا قی پناہ نزین بن گئے۔ قحط اور گرمی کی اہریں بھارت، پاکستان، سب صحارا افریقا اور مغربی امریکا کے اطراف گھوم رہی ہیں یہ سب کچھ صرف آنے والی تباہی کی ایک جھلک ہے مگر دنیا کے طاقتوں لوگ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے کچھ خاص نہیں کر رہے،

اکثر سرمایہ کاری جوان مسائل کے حل کے نام پر دکھائی جا رہی ہے اور یہ سب کچھ ہم پچھلے چند عشروں سے دیکھتے چلے آ رہے ہیں۔ تباہ کی معاشی اور مالیاتی پالیسیوں کے بعد خواہشات، دکھاو اور محض ان مسئللوں پر بڑی بڑی تقریبیں

آنے والی دہائیوں میں دنیا بڑے خطرات کا سامنا کرے گی اور یہ خطرات صرف عالمی میتھیت اور بین الاقوامی اتفاقوں کو لاحق نہیں ہوں گے بلکہ یہ امن اور خوشحالی کو بھی خطرے سے دوچار کریں گے۔

ہماری فرقوں میں بھی سیاسی دنیا میں جہاں ہم اپنے پیارے ٹھوکر سے کسی بوتل کو سڑک پر دھکیل دیتے ہیں، وہاں پر ہم قلیل متن منصوبہ بندی کرنے میں منتخب ہیں اور اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنے کا فیصلہ ہم دوسروں پر چھوڑ دیتے ہیں۔

یہ خطرات کچھ مختلف ہیں جن کا سباد بہنیں کیا جا رہا ہے، یہ دنیا بھر کے لوگوں کے لیے زندگی کو بدترین بنا کیں گے۔ عوام انس کی بھلائی کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہمارے رہنماء خطرات کو نظر انداز نہ کریں انہیں قول کریں، تیزی اور سنجیدگی کے ساتھ ان مسائل کا حل ڈھونڈیں۔

بازاری ایک ہی وقت میں موجود ہیں اور تمام قرضوں کے بحران کی جڑ، چاہے وہ بھی ہو یا سرکاری، تاریخی بندی کو چھوڑ ہا ہے، آبادی میں بڑھتی عمر و اسے افراد پڑھن اور سخت کی دیکھ بھال کے نظام کو مکمل طور پر توڑ دیں گے، یہ مسائل ان معاشی مسئللوں میں سے صرف چند ایک ہیں۔ ۲۰۰۸ء کے معاشی سیالاں سے پہلے ہماری پیشگوئی دوست ثابت ہوئی کہ عالمی عروج اور زوال کے خطرناک پکڑ ہمیں بدترین معاشی صورتحال میں بتا کر دیں گے، مجھے ذر ہے کہ ہمیں دوبارہ اس صورتحال کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس بارہ کا معاشی بحران کچھ ایسا ہو گا کہ عالمی کساد بازاری شدید اور بدترین ہو گی، قرض اور سود کے بڑھتے نتائج کی طرح چھوٹے پیمانے پر لیے جانے والے قرضوں کے پروگرام میں بھی مسائل پیدا ہوں گے۔ زندگی، مالیاتی ادارے، حکومتی ادارے اور ریاستیں اخراجات کی ادائیگی نہیں کر پا رہی ہیں، جائے اس کے کہ مہنگائی کا توڑ کرنے کے لیے انہیں کم کیا جائے مرکزی بینک کی سود کی شرح میں اضافہ کیا جا رہا ہے اور یہ سب کچھ ہم پچھلے چند عشروں سے دیکھتے چلے آ رہے ہیں۔ تباہ کی معاشی اور مالیاتی پالیسیوں کے بعد

امریکا، ہندو تنظیم کی دیدہ دلیری

سے ایسی حرکتوں کا حساب نہیں لے گا۔ صرف ۲۰۲۱ء میں بھارت کے مسیحیوں پر انہا پسند ہندوؤں نے ۸۰۰ سے زیادہ جملے کیے۔

شہری آزادیوں اور مذہبی حقوق کی علم بردار تنظیموں اور گروپوں نے کاگلریں کے ارکان، گورنر اور میر کے نام خط میں مطالبہ کیا ہے کہ بھارت میں مسیحیوں سے انتیازی سلوک اور ان کے خلاف تشدد رونے کے لیے منتخب پلیٹ فارم کو زیادہ سے زیادہ موثر طریقے سے بروئے کار لایا جائے۔ خط میں یہ مطالبہ بھی کیا گیا ہے کہ جی ایچ ایچ ایف کو بھارت میں مسیحیوں کے خلاف نفرت پھیلانے اور انہیں تشدد کا شناختہ بنانے سے روکنے کے لیے فنڈنگ کی تحقیقات کی جائے۔

خط میں کہا گیا ہے کہ بھارت کی جن ریاستوں میں بھارتیہ جنت پارٹی کی حکومت ہے وہاں مسیحیوں اور مسلمانوں کو خاص طور پر نشانہ بنایا جاتا ہے۔ مسیحیوں پر حملوں میں ملوث انہا پسند ہندوؤں کو گرفتار کرنے کے بجائے تشدد اور مظالم کا شناختہ بننے والے مسیحیوں ہی لوگ فتنہ کر لیا جاتا ہے۔ ہندوؤں کو بڑو مسیحی بنانے کا جھوٹا دعاوی کر کے مسیحیوں کی مذہبی رسوم کی تقریبات پر حملوں کا سلسہ جاری ہے۔ گرجا گھروں کو جلانے اور بند کرنے سے بھی درجہ نہیں کیا جا رہا۔

خط پر دستخط کرنے والوں میں فینڈریشن آف انڈین امریکن کریپشن ایسوی ایشن آف نارتھ امریکا کے صدر کوئی جارج، جیسٹر مین جان پر بھوداں، نارتھ امریکن چرچ آف گاؤ کے صدر ریور پینڈا ڈاکٹر شیبوٹا مس، سدرن میٹھڈسٹ یونیورسٹی کے ہیومن رائٹس پرو گرام کے ڈائزیکٹر ڈاکٹر ریک بلپرن، درلہ ودھ آوٹ جینوساٹ کے ایگزیکیٹو ڈائزیکٹر ایلن جے کینیڈی، سینٹر فار پلیور ازم کے صدر ڈاکٹر مانک گاؤز، جینوساٹ واج کے بانی صدر ڈاکٹر گریگری ایچ ایمین، لمٹ لیس چرچ کے پاسٹر آشش بیل، اپنٹی ایٹریشنل (ٹیکسas) کے آوٹ ریچ کو اڈینیٹر ہادی جواد، انڈین امریکن مسلم کوسل کے صدر سید علی، جسٹس فار آل ٹھیکنگ عادل، ہندو فار ہیومن رائٹس کے ناچل منڈلا پارٹی، نارتھ ٹیکسas پیس ایڈوکیٹس کے بورڈ آف ڈائزیکٹر کے رکن آفتبا صدقی، گذشتیز نز آف ڈی ایف ڈبلیو کے سیف اسلام اور نارتھ ٹیکسas اسلام کوسل کے آباد مسیحیوں کی سرکاری (سرکاری) تعداد ۸۰ کروڑ لاکھ ہے، جو انہیں مسلمانوں اور سکھوں کے بعد ملک کا تیسرا سب سے بڑا اقلیتی گروپ ہوتا ہے۔ وزیر اعظم نریندر مودی کی انہا پسند ہندو حکومت کے تحت بھارت میں آباد مسیحیوں کو شدید نوعیت کے تشدد کا شناختہ بنایا جاتا رہا ہے۔ مذہب کی تہذیب کی گئی ہے۔ خط میں کہا گیا ہے کہ بھارت میں مسیحیوں کو باعث بھارت بھر میں مسیحیوں پر تشدد اور گرجا گھروں پر حملوں کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے۔ انہا پسند ہندو یہ سب کچھ بلا خوف و خطر کرتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ کوئی بھی ان

خط ناک ہے۔ مزید یہ کہ یہ تنظیم بھارت کے مسیحیوں کو شدید نقصان پہنچانے کے درپے ہے۔

جی ایچ ایچ ایف کے حوالے سے یہ بات ایک ٹھہری حقیقت ہے کہ یہ مسیحیوں کو بدنام کرنے کے درپے رہی ہے۔

اس تنظیم نے ۲۰۱۳ء میں بھارت کے مرکزی وزیر تعلیم کو خط لکھ کر مطالبہ کیا تھا کہ درسی کتب میں ”خورام گوڑے“ کی شجاعت“ کے بارے میں بھی سبق شامل کیا جائے۔ واضح

رہے کہ خورام گوڑے نے ۳ جنوری ۱۹۷۸ء کو بھارت کے بابا یے قوم موہن داس کرم چند گاندھی کو نبی دہلی میں دعا یہ تقریب کے دوران قتل کر دیا تھا۔ خورام گوڑے سے کا تعلق ہندوؤں کی بالادتی کے عزم کی حامل رجعت پنڈت نهیں اسٹری یہ سویم سیوک سنگھ (آر ایس ایس) سے تھا۔ بھارت کے مرنزی وزیر تعلیم کے نام اسی خط میں جی ایچ ایچ ایف نے یہ بھی کہا تھا کہ ہندوؤں کو دھوکے، بہلا پھسلا کر یا لالچ کے ذریعے مسیحی بنا کر یہ لوگ (مسیحی) بھارت کی پیٹھ میں پھرا گھونپ رہے ہیں اور یہ کہ انہیں روکانے گیا تو بھارت میں ہندو مصنف قربانی کے بکرے بن کر رہ جائیں گے۔

جی ایچ ایچ ایف نے ۲۰۲۰ء میں ٹیکسas کے علاقے پلینو میں ایک تقریب کا اہتمام بھی کیا تھا، جس کا مقصد بھارت کے اقلیتی مختلف قانون کی حمایت کرنا تھا۔ اس قانون کے تحت بھارت میں مسلمانوں اور مسیحیوں کو اقلیت کے درجے سے محروم کرنے کی بات کی گئی ہے۔ یہ ہندو گروپ بھارت میں مسلمانوں اور مسیحیوں کو جان کارنے اور نیڈ کروز، ایوان ناماںگان کے ارکان مائیکل سی بر جس، پیٹ فیلین، وان ٹیلر، ٹیمی میزا، کولن آرلینڈ، مارک ویزی، جیک الیزی اور مائیکل کلاوڈ، گورنر گریگ ایبٹ اور فرنسکو کے میر جیف چینی شامل ہیں۔

بھارت میں آباد مسیحیوں کی

گلوبل ہندو ہیر ٹیچ فاؤنڈیشن (جی ایچ ایچ ایف) نامی تنظیم کے خلاف تحقیقات کا مطالبہ کیا ہے۔ امریکی ریاست ٹیکسas کے علاقے فرنسکو میں قائم یہ تنظیم بھارت کے مسیحیوں کو شدید نقصان پہنچانے کے درپے ہے۔ اس تنظیم کے اہتمام کے لیے عطیات جمع کرتی ہے۔ دی انڈین امریکن مسلم کوسل (آئی اے ایم سی) نے شہری آزادیوں اور مذہب کی بیانیات کی بارے میں بھی سبق شامل کیا جائے۔ واضح رہے کہ خورام گوڑے نے ۳ جنوری ۱۹۷۸ء کو بھارت کے اغٹل ریونیورسٹی، محکمہ انصاف، امریکی سینیٹ اور ایوان ناماںگان کے ارکان، ٹیکسas کے گورنر اور دیگر منتخب شخصیات کے نام ایک خط لکھا ہے۔ خط میں بتایا گیا ہے کہ جی ایچ ایچ ایف نسلی بالادتی کا علم ہے اور دیگر مقاصد کے ساتھ ساتھ بھارت میں کوچھ ایجاد کر رہا ہے۔ یہ خط نیڈریشن آف انڈین امریکا میں عطیات جمع کرتا ہے۔ یہ خط نیڈریشن آف نارتھ امریکا، نارتھ امریکن چرچ آف گاؤ، سدرن میٹھڈسٹ یونیورسٹی، ہیوم رائٹس پرو گرام، ایمنسٹی اینٹریشنل (ڈیلیس)، ولڈ ودھ آوٹ چرچ، جینوساٹ، سینٹر فار پلیور ازم، جینوساٹ واج، انڈین امریکن مسلم کوسل، ہندو فار ہیوم رائٹس، جسٹس فار آل، لمٹ لیس چرچ، نارتھ ٹیکسas پیس ایڈوکیٹس، گذشتیز نز آف ڈی ایف ڈبلیو اور نارتھ ٹیکسas اسلام کوسل کی طرف سے لکھا گیا ہے۔ جنہیں یہ خط بھیجا گیا ہے اُن میں سینٹر ز جان کارن اور نیڈ کروز، ایوان ناماںگان کے ارکان مائیکل سی بر جس، پیٹ فیلین، وان ٹیلر، ٹیمی میزا، کولن آرلینڈ، مارک ویزی، جیک الیزی اور مائیکل کلاوڈ، گورنر گریگ ایبٹ اور فرنسکو کے میر جیف چینی شامل ہیں۔

جی ایچ ایچ ایف نے حال ہی میں ایک پیغام شائع کیا ہے جس میں بہت سے دوسرے مقاصد کے ساتھ ساتھ بھارتی ریاست آندھرا پردیش کے شہر تروپی میں ”غیر قانونی“ گرجا گھروں کے انہدام کے لیے بھی عطیات کی اپیل کی گئی ہے۔ خط میں کہا گیا ہے کہ بھارت میں مسیحیوں کو پہلے ہی یومیہ بناہ پر انہا کی درجے کی بدسلوکی کا ناشانہ بنایا جا رہا ہے۔ ایسے میں ایک ہندو گروپ کی طرف سے یوں سر عام گرجا گھروں کے انہدام کے لیے عطیات کی اپیل کرنا انتہائی

(بحوالہ: ”انڈین امریکن مسلم کوسل“)



۲۰۲۳ء: دنیا کی جغرافیائی سیاست کیا رنگ دکھائے گی؟

ملینہ لودھی

یورو۔ اٹلانٹک میں ہونے والی کوئی بھی گزبر یا یورپی سلامتی کے وعدوں کو ناقابل عمل بنا دے گی جبکہ اس خطے کا مایاب دفاع انڈو۔ پیفک خطے کی جانب جھکا کر جواز فراہم کرے گا۔ چاہے کوئی اتفاق کرے یا نہیں لیکن اس بات میں کوئی تمنج نہیں ہے کہ اگر مذاکرات کے ذریعے یوکرین میں جنگ بندری نہیں ہوئی اور مذاکرات تعلق کا شکار رہے تو اس سے صرف یورپ ہی نہیں بلکہ دیگر خطے بھی عدم استحکام ہوں گے۔ جنگ کے سبب ابھرتا ہو امعاشی، بحران اس امرکی بہترین عکاسی کرتا ہے۔ اس کے منفی اثرات کی وجہ سے عالمی سپلائی چین اور اجناس اور توانائی کی میڈیاں افرانفری کا شکار ہیں۔ یہ اتار چڑھا وہ بڑی میഷتوں پر معاشری عدم استحکام کے دباؤ میں اضافے کی وجہ بنے گا۔

یوکرین جنگ اشیائے خور و نوش میں ہوش ربا اضافے اور ٹکین عالمی مہماں کا باعث ہے۔ آنے والے سال میں زیادہ تر ممالک کی توانائی انہی مسائل سے نہیں میں صرف ہوگی مگر غیریب اور قرضے کے بوجھتے دبی میشتوں کے لیے اس مسئلے سے نہیں بہت بڑا چیخ ہوگا۔ غذائی عدم تحفظ سال ۲۰۲۳ء کا ہم چیخ ہو گا جبکہ توانائی کا بحران بھی عالمی معاشری نظام کے لیے اتحان ثابت ہو گا۔

فعریشگ کمپنی نے عالمی تجارتی جنگ، کورونا کی وبا اور یوکرین تباہ کی وجہ سے موجودہ اقتصادی دور کو دوسرا جگہ غلظیم کے بعد معاشری طور پر سب سے زیادہ بدحال دوڑ رکار دیا ہے۔ اکتوبر میں آئی ایف کی جانب سے متنبہ کیا تھا کہ عالمی معیشت پر مزید بدترین وقت آئے گا اور بہت سے ممالک کی میشتوں میں مزید گراوٹ کا شکار ہو گی۔

چین۔ امریکا مسابقت، یوکرین جنگ اور عالمی سطح پر طاقت کے توازن میں تبدیلی نئی صفت بندیوں کا باعث ہی ہے اور ماضی کے اتحادیوں کو بھی دوبارہ تحرک کر دیا ہے۔ کوڑا اور اوکس (آئریلیا، امریکا اور برطانیہ کا اتحاد) اس کی بہترین مثالیں ہیں جو چین کی ابھرتی ہوئی قوت کا مقابلہ کرنے کے لیے امریکا کی انڈو۔ پیفک حکمت عملی کا حصہ ہیں۔

چین نے بھی اپنے بیلت اینڈ روڈ منصوبے کے ذریعے جغرافیائی معاشری حکمت عملی کا استعمال کیا ہے جس سے دنیا میں اس کا اثر درست و پڑھا ہے اور اس میں مزید اضافہ متوقع ہے۔ بڑھتے ہوئے چین۔ سعودی عرب تعلقات نے اتحاد کی جانب اشارہ کر رہے ہیں۔

موجودہ جغرافیائی سیاسی ماحول میں ممالک اپنے

جوتا رخ میں کم ترین سطح پر ہیں اور جن کے باعث دنیا کو خدا ہے کہ کہیں ایک نئی سر جنگ نہ چھڑ جائے۔ لیکن اس ملاقات کے بعد بھی اہم معاملات پر دونوں ممالک کے درمیان موجود اختلافات اپنی جگہ بقرار ہیں۔ ان معاملات میں تائیوان، ٹینکنا لو جی کے شعبے میں پابندیاں اور عسکری طریقہ عمل شامل ہیں۔

مستقبل کے امکانات واضح نہیں ہیں، خاص طور پر چین کے حوالے سے امریکا کی پالیسی جو باہمیان انتظامیہ کی قوی سلامتی کی حکمت عملی میں بھی شامل ہے۔

چین کی جانب سے آنے والا عمل ان دونوں ممالک کے تعلقات کو مزید کشیدہ کر دے گا۔ آنے والے دنوں میں ٹینکنا لو جی کے شعبے میں عدم تعاون بڑھے گا، عسکری مقابلے میں شدت آئے گی اور تائیوان تباہ کی وجہ سے دنونوں ممالک کے تعلقات میں بہتری کے راستے میں رکاوٹ بنا رہے گا۔

کثروں رسک نامی ایک ادارے نے ۲۰۲۳ء میں چین۔ امریکا تعلقات کو جغرافیائی سیاست کا سب سے بڑا خطرہ قرار دیا ہے۔ دیگر جائزے اس تباہ کو مسترد کرتے ہیں لیکن ایشیا۔ پیفک خطے میں جنوب مشرقی ایشیائی ممالک، چین۔ امریکا تصادم کے خدشے کے پیش نظر فکر ممتد ہیں۔

آنے والے سال میں یوکرین کی جنگ بھی توجہ کا مرکز رہے گی۔ یوکرین پر روی جملے نے جغرافیائی سیاست میں ایک نئے تباہ کی نشاندہی کی ہے۔ لندن کے "انٹرنشنل انٹیٹیوٹ آف اسٹریٹجک اسٹیڈیز" نے اپنے سالانہ سروے میں کہا کہ اس تباہ کے سیاسی اور اقتصادی متاثر بھی ہیں جو عالمی منظراً میں کوئی شکل دے رہے ہیں۔

اسی سروے میں مزید کہا گیا کہ یہ جنگ مغربی دنیا کی سلامتی کوئی شکل دے رہی ہے اور یہ عالمی سطح پر پائے جانے والے باعث بن سکتی ہے اور یہ عالمی سطح پر پائے جانے والے تصورات اور خدشات کو بھی متاثر کر رہی ہے۔ البتہ اس جنگ کی وجہ سے مغرب کی توجہ ایشیا۔ پیفک خطے سے ہٹی ہے جو پہلے اس کی ترجیح تھا۔ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ یورپ کی سلامتی ہی مغرب کی ترجیح ہے۔

اس سروے میں مزید کہا گیا کہ دو اہم خطے یعنی یورو۔ اٹلانٹک اور انڈو۔ پیفک ایک دوسرے پر منحصر ہیں کیونکہ

دنیا کی موجودہ صورتحال شدید غیر مختتم اور اسٹریٹجک لحاظ سے تیزی سے تبدیل ہو رہی ہے۔ اگر سال ۲۰۲۳ء میں درپیش چیخ اور جغرافیائی سیاسی روحانیات پر نظر ڈالی جائے تو سب سے اہم پہلوان کا غیر یقینی اور غیر متوقع ہوتا ہے۔

یہ سب ایک ایسے وقت میں ہو رہا ہے جب عالمی سطح پر طاقت کا توازن تبدیل ہو رہا ہے، میں الاقوامی نظام انتشار کا شکار ہو رہا ہے اور کثیر الجہت تعلقات خطرات سے دوچار ہیں۔ بڑھتے ہوئے سیاسی جغرافیائی تباہ اور عالمی معاشری اتار چڑھاونے دنیا کو غیر مختتم صورتحال میں ڈال دیا ہے۔ آنے والے سال میں اسٹریٹجک طور پر عالمی قوتوں کے درمیان تعلقات کا کردار سب سے اہم اور مختصر ہو گا۔ یوکرین جنگ کے تباہ کن معاشری اثرات عالمی اقتصادی بحالی کے غل کو متاثر کریں گے جو پہلے سے ہی کورونا وبا کی وجہ سے عدم استحکام کا شکار ہے۔

میں الاقوامی تھنک ٹنکس، سرمایہ کارکمپنیوں اور دیگر کی جانب سے کیے جانے والے سالانہ جائزوں میں ۲۰۲۳ء کے حوالے سے جن اہم روحانیات کا ذکر کیا گیا ہے ان میں معاشری عدم استحکام کو ایک نئے معمول کے طور پر لیا گیا ہے۔

برطانوی میگزین دی اکنامسٹ کی دی ولڈ اہبیٹ ۲۰۲۳ء پر پورٹ نے آج کی دنیا کو کچھ یوں بیان کیا ہے کہ "یہ انتہائی غیر مختتم، کورونا وبا کے آفسٹ شاکس سے دوچار، معاشری طور پر بدحال، شدید درجہ حرارت کا شکار، سماجی اور ٹینکنا لو جی کے حوالے سے تیز تبدیلیوں اور عالمی قوتوں کی عداد میں گھری ہے۔

ایک اہم جغرافیائی مسئلہ جو آنے والے سال پر غالب رہے گا، وہ امریکا اور چین کے درمیان ٹکنی ہوتی مسابقت اور عالمی معیشت اور جغرافیائی سیاست پر پڑنے والے اس کے اثرات کا ہے۔ امریکی صدر جو باہمیان اور چینی صدر شی جن پنگ کے درمیان نومبر میں ہونے والی پہلی باضابطہ ملاقات میں اس کشیدگی کو کم کرنے کا اعادہ کیا گیا۔ دونوں رہنماؤں نے ان تعلقات کو بہتر کرنے کا عہد کیا

انگلینڈ، ولیز میں مسیحی اقلیت بن گئے

اپنے آپ کو مسیحی بتایا۔ یعنی ۲۰۱۱ء کے مقابلے میں اے ۳۰ فریصد کم۔ ”کوئی مذہب نہیں“ درج کرنے والوں کی تعداد ۱۲٪ پاؤنس کے اضافے کے بعد گل آبادی کا ۳٪ فریصد یعنی ۲ کروڑ ۲۲ لاکھ ہو گئی۔ پچھلی مردم شماری میں مسلمان گل آبادی کا ۶٪ فریصد تھے جبکہ آج وہ گل آبادی کا ۵٪ فریصد یعنی ۳۹ لاکھ ہیں۔ ہندو ۱۰ لاکھ ہیں۔ سکھ ۵ لاکھ ہزار، بدھ ۲ لاکھ ۳۷ ہزار اور یہودی ۲ لاکھ ہے ہزار ہیں۔ مردم شماری کے اعداد و شمار جاری کیے جانے کے بعد ان پر تبصرہ کرتے ہوئے وزیر اعظم رشی سناک کے ترجیمان نے کہا کہ انگلینڈ اور ولیز میں مذہبی اور ثقافتی تنوع غیر معمولی ہے اور یہ خوش آئند بات ہے۔ کنزرویو پارٹی کے لیے رکی حیثیت سے رشی سناک نے ”کوئی مذہب نہیں“ کا خانہ سب سے زیادہ پر کیا گیا ہے۔

۲۲ راکٹوں کو ہندوؤں کے روشنی کے تہوار دیوالی کے موقع پر عظیمی کی دوڑ جیتی۔ انہوں نے لوڑوں کی جگہ می۔ وزیر اعظم کا منصب سنبھالنے کے بعد اگلے ہی دن ۱۰ ارڈاؤنگ اسٹریٹ میں رشی سناک کی طرف سے منعقد کی جانے والی پہلی رسمی سرکاری تقریب دیوالی کے استقبالیے پر بنی تھی۔ اس کے بعد رشی سناک نے کرسی کی آمد کے حوالے سے ”ایڈوث“ کی تقریب کا اہتمام کیا، جس میں ملک بھر سے مسیحیوں کو مددو کیا گیا۔

رشی سناک اس سے قبل انگلینڈ کے وزیر خزانہ کی حیثیت سے خدمات انجام دے چکے ہیں۔ ان کے آباء کا تعلق بھارتی ریاست پنجاب سے تھا۔ انہوں نے ۱۹۶۰ء کے عشرے میں افریقا سے برطانیہ نقل مکانی کی تھی۔ روزنامہ ”دی ٹائمز“ سے گفتگو میں رشی سناک نے کہا ”میرے لیے یہ بہت بڑی بات ہے کہ ۱۰ ارڈاؤنگ اسٹریٹ کی سڑیوں پر دیوالی کے دیے روشن کرنے میں کامیاب ہو سکا ہو۔ بھی ہمارے ملک کے ثقافتی تنوع کا حصہ ہے۔ اور ایسا نہیں ہے کہ اس کے لیے بہت کچھ کرنا پڑا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ برطانوی معاشرے میں آگے بڑھنے کے لیے انسان کو محنت سے زیادہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔ یہاں لوگ صلاحیت اور لگن کی قدر کرتے ہیں۔ جس میں کچھ کردار نہیں کی صلاحیت ہے وہ اس ملک میں کچھ بھی کر سکتا ہے، کسی بھی مقام تک پہنچ سکتا ہے۔“

قوی شماریاتی ادارے نے گزشتہ برس مکمل کی جانے والی

انگلینڈ اور ولیز میں سیکولر ازم اور ملٹی کلچرل ازم کی تیزی سے فروغ پار ہے ہیں، اس کا اندازہ اس بات سے لگا جاسکتا ہے کہ حال ہی میں جاری کیے جانے والے مردم شماری کے اعداد و شمار کے مطابق انگلینڈ اور ولیز میں مسیحیوں کا تناسب اب نصف سے کم ہے۔ اسلام مردم شماری کے تنائج حال ہی میں جاری کیے گئے ہیں جبکہ بھارتی نژاد ہندو روشنی سناک کو برطانوی وزیر اعظم کا منصب سنبھالے ایک ماہ ہوا ہے۔

قوی شماریاتی ادارے نے بتایا ہے کہ برطانیہ میں مسلمانوں کی تعداد تیزی سے بڑھ رہی ہے جبکہ مردم شماری کے لیے پُر کروائے جانے والے فارم میں مسیحیت کے بعد ”کوئی مذہب نہیں“ کا خانہ سب سے زیادہ پر کیا گیا ہے۔

آرچ بچ پ آف یارک اسٹیفن کا تریل کہتے ہیں کہ مذہبی رجحان میں کمی واقع ہونا کوئی حیرت انگیز بات نہیں مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ زندہ رہنے کی بڑھتی ہوئی قیمت اور یورپ میں جنگ پسندی اس بات کی مقاضی ہے کہ انسان روہانیت کی طرف متوجہ ہو۔ ایگلکلیکن چرچ کے دوسرے بڑے پیشوں کا کہنا تھا کہ لوگ خوارک اور روہانی تسلیم کے لیے ہمارے پاس آئیں گے اور کرسی کے موقع پر عبادت اور دعا کی تقریبات میں شریک ہوں گے۔

”پیونسٹس یوکے“ غیر مذہبی افراد کے حقوق کے لیے کام کرنے والا گروپ ہے۔ اس کے چیف ایگزیکیویٹیو یونیورسٹی کا پس کہتے ہیں کہ حکومت کو پالیسی پر عمل کے تنائج پر غور کرنا چاہیے۔ یہ گروپ چاہتا ہے کہ حکومت مذہبی اسکوں کی معافیت بند کرے اور چرچ آف انگلینڈ کی سرپرستی سے بھی ہاتھ ہٹھیں لیا جائے۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ انگلینڈ کے علاوہ صرف ایران ایسا ملک ہے جہاں مذہبی علاپاری یمان میں رائے شماری میں حصہ لیتے ہیں۔ علاوہ ازیں انگلینڈ کے سوا کسی بھی ملک میں سرکاری اسکول کا عام معیار یہ نہیں کہ مسیحیت پر بنی تعلیمات کو لازمی تراویدیا گیا ہو۔ یہڈر یا کاپس کا کہنا تھا کہ مردم شماری کے تازہ ترین اعداد و شمار ہمیں جگا رہے ہیں کہ مذہبی روحانیات کے حوالے سے ہمیں ہوش آجائنا چاہیے اور معاشرے میں مذہب کے کردار کے حوالے سے نئے سرے سے سوچنے کی ضرورت ہے۔

انگلینڈ کے ۲ کروڑ ۷۵ لاکھ یعنی ۲٪ فریصد افراد نے

مفادات کے تحفظ کے لیے ایسی حکمت عملی اپنائیں گے جو ان کے لیے نقصان دہ نہ ہو اور کوشش کریں گے کہ وہ طاقتور ممالک کے آپسی تازعات کا حصہ نہ بنیں۔

ایک اور ابھرتا ہوا سوال یہ ہمیں ہے کہ ممالک کا ایسی کیفر افظعی دنیا کے حوالے سے کیا در عمل ہو گا۔ کیا وہ در پیش مسائل کی بنیاد پر ہم ممالک سے ہاتھ ملا کیں گے یا پھر مخصوص مسائل پر عارضی طور پر مقعد ہوں گے۔

یہ سوال حل طلب ہے کہ اس سب کے بعد کیسا عالمی نظام سامنے آئے گا کیونکہ موجودہ میں الاقوامی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ ”پولیٹکل رسک فرم یوروا ایشیا“ گروپ کے ہیڈ این بریر نے ایک پر زور دیل پیش کی ہے کہ آنے والے کل کی جغرافیائی سیاست کی بنیاد صرف ایک عالمی نظام نہیں بلکہ تینی نظام ہوں گے۔ اس میں مختلف کردار چیلنجوں سے منشے کے لیے قیادت فراہم کریں گے۔

۲۰۲۳ء میں دنیا کس سمت جائے گی اس حوالے سے اپنی تقریب میں انہوں نے کہا کہ ۲۰۲۳ء میں عالمی سلامتی نظام امریکا کے ہاتھ میں ہو گا جبکہ عالمی معاشی نظام کا انحراف چین پر ہو گا۔ عالمی ڈیجیٹل نظام بڑی ٹکنالوژی کمپنیوں کے ماتحت ہو گا جبکہ عالمی ماحولیاتی نظام کا اختیار تو پہلے سے ہی مختلف ممالک کے ہاتھ میں ہے۔

۲۰۲۳ء میں بھی جمہوریت کو چیلنجوں کا سامنا رہے گا۔ اس کے مضرات میں الاقوامی سطح پر سامنے آئیں گے۔ جب سیاسی تقسیم جمہوریت کو غیر فعال کر دیتی ہے جو بہت سے ممالک میں ہو بھی رہا ہے، تب ان ممالک کی اندر وطنی کمزوریاں ان کی خارجہ پالیسی اور عالمی میدان میں مؤثر طریقے سے کام کرنے کی صلاحیت کو متاثر کرتی ہیں۔

دائیں بازو کے مقبول رہنما جو اپنی ریاستوں میں عدم برداشت کا مظاہرہ کرتے ہیں اور جمہوری اقدار کو پامال کرتے ہیں وہ عالمی معاملات میں بھی ایسی پالیسیاں اپناتے ہیں جن کے کثیر ابھی عمل کو نقصان پہنچتا ہے۔

آنے والا سال اپنے ساتھ دنیا کے لیے جغرافیائی سیاست کا تباہ، معاشی عدم تحفظ اور ایسے مزید چیختے کر آئے گا، جس میں ماحولیاتی تبدیلی بھی شامل ہے۔ چیختن اقوام کی انفرادی صلاحیت کے ساتھ ساتھ دشتر کے مسائل کے حوالے سے اجتماعی اقدامات کرنے کی صلاحیت کا بھی امتحان لیں گے۔

”2023: a world of uncertainty“.

(Daily ”Dawn“ Karachi. December 12, 2022)

مشرق وسطی میں "چینی سلطنت" کا ظہور

ارحمہ صدیقہ

ہیں۔ اس بات کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ روڈ اینڈ بیلٹ منصوبے میں ایران کی شمیلت مشرق وسطی میں امریکی نفوذ کو گزند پہنچائے گی، جس پروانگشن کی جانب سے شدید رعل کا امکان ظاہر کیا جا رہا ہے۔ ”سیزر ایکٹ“ کی شکل میں عائد کردہ امریکی پابندیوں سے کسی بھی ملک کے شامی رحیم سے معاملات کی راہیں پہلے ہی مسدود کی جا چکی ہیں۔ اس طرح شامی وزارت مواصلات اور چین کی ہوا وے کمپنی کے درمیان ۲۰۱۵ء کو طے پانے والا معاہدہ متاثر ہونے کا امکان ہے۔

حالیہ دنوں میں جاری کو وہ ۱۹۶۱ کی عالمی وبا نے چین اور مشرق وسطی کے ملکوں کے درمیان باہمی تجھیقی کے اظہار کا موقع فراہم کیا ہے۔ خلیجی ممالک کی جانب سے چین کو تجھیقی جانے والی میڈیا ملک سپلائز کے جواب میں بینگ نے مشرق وسطی میں کورونا وائرس کے پھیلاؤ کے وقت ایسی ہی فراغدا نہ امداد کے ذریعے حساب برابر کر دیا۔

تیل کی قیمت میں مسلسل کمی کے جلو میں معاشی گراف میں تنزل سے خلیجی میں بی آر آئی کے منصوبے زیادہ دریتا خیر کا شکار ہو سکتے ہیں۔ مشرق وسطی میں مذہب، لسانی اور پوشیدہ انسانی پیچیدگیاں موجود ہیں۔ روڈ اینڈ بیلٹ منصوبے کو سنوارنے میں یہ تمام عناصراہم کردار ادا کریں گے، تاہم اس کے ساتھ ساتھ سکیورٹی، اقتصادی اور ثقافتی ایکچھ پروگرام بھی چینی منصوبوں کا حصہ ہوں گے۔

(بحوالہ: ”العربیہ ذات نیٹ“ - ۱۰ دسمبر ۲۰۲۲ء)

باقیہ: **کامیابی کا فلسفہ**

کہ انہوں نے اپنے ذہن کو کنٹرول میں رکھا، اس سے مستفید ہوئے اور اس کی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتے رہے۔ رفتہ رفتہ ہر معاملہ آسان تر ہوتا چلا گیا۔ وہ کامیاب ہوتا چاہتے تھے اور صرف خواہش ہی، اس کا شعور اور جذبہ بھی رکھتے تھے۔ اس جذبے نے ان کی رہنمائی کی اور وہ اڑان کی منزل تک پہنچ۔ کیا آج کی دنیا بہت مختلف ہے؟ یقیناً مگر چند معاملات میں کامیابی کا حصول اب بھی آسان نہیں۔ شبانہ روز مختت کیے بغیر کامیابی ممکن نہیں۔ میوری کا رڈ کے چھوٹے سے آ لے کی ہی مثال لیجیے۔ آج یہ آکے کروڑوں کمپیوٹر کا بخوبی ہے۔ رائٹ برادران، بھری فورڈ، اینڈریو کاربنیگی اور ایڈیسین میں سے کسی کو بھی اس آ لے کا علم نہیں تھا۔ ان کا تصور یہاں تک پہنچا ہی نہیں تھا۔

(ترجمہ: محمد ابراہیم خان)

(بحوالہ: کتاب "Grow Rich! with Peace of Mind")

کرنی آر آئی میں دکھائی جانے والی دلپتی اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ منصوبہ ان کے لیے تیز رفتار معاشری ترقی کے متنوع موقع فراہم کرتا ہے۔ چین تیزی شراکت کاری کے ذریعے سیاسی مداخلت سے گریز اور عملیت پسندی کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ سعودی عرب اور ایران کے درمیان جاری تنازع میں چین کی متوازن پالیسی اس کی عملی مثال ہے۔

مغرب دنیا ب تک فوجی مداخلت کی مدد سے جہوری عمل کو خطرات کم کرنے کا ذریعہ تجھیقی رہی ہے، جبکہ چین کا روڈ اینڈ بیلٹ پروگرام علاقائی سلامتی اور ہمہ جہت ترقی کا ایک یا نمونہ پیش کرتا ہے۔

مشرق وسطی کی ریاستیں، ان کی بذرگانیں اور صفتی پارکس

چین کے ساتھ تعاون میں پیش پیش رہے ہیں۔ متحده عرب امارات کی خلیفہ پورٹ، عمان کی قوم بذرگاہ، سعودی عرب کی جازان بذرگاہ اور مصر کی پورٹ سید اس تعاون کی عملی مثالیں ہیں۔ چین کے جنوبی علاقوں کا خطے کے جنوبی ممالک سے تعاون، منصوبے میں شامل دوسرے ملکوں اور بیجنگ کو یکساں طور پر پائیدار ترقی سے بہرمند ہونے کے تیز موقع فراہم کرتا ہے۔

حالیہ چند برسوں کے دوران چین نے مشرق وسطی کے

ملکوں کے ساتھ معاشری اور سفارتی باتیں کو بڑی حد تک

فروغ دیا ہے۔ بڑے حصے کے طور پر چین نے مشرق وسطی

میں تو ادائی، انفارٹر کچر، تیزیات، زراعت اور فناں کے

شعبوں پر توجہ رکھ کر کی ہے۔ چین اور دوسرے شریک ممالک

بی آر آئی کو سعودی ویژن ۲۰۳۰ء، یو اے ای وژن ۲۰۲۱ء،

اردن ۲۰۲۵ء، ترکی کے مدل کور بیڈور اور کویت کی ویژن

۲۰۳۵ء جیسی قومی بھالی کی ایکیموں میں ختم کرنے میں دلچسپی

رکھتے ہیں۔

اپنے محل وقوع کی وجہ سے مشرق وسطی روڈ اینڈ بیلٹ

کے لیے اہم ہے۔ یہ تین براعظملوں ایشیا، افریقا اور یورپ

سمیت پانچ سمندروں بحیرہ روم، بحیرہ کیپسین، بحیرہ ااحمر، بحیرہ

عرب، حراکاہل، بحیرہ اسود کے سمنگ پر واقع ہے۔ مزید برآں

یہ خطہ آباتے باسفورس، باب المندب، تلنکانے ہرمز اور

ڈارڈ بندر جیسے اہم بحیری راستوں کو بھی ملاتا ہے۔

چین نے رواں برس کے اوائل میں روڈ اینڈ بیلٹ

پروگرام کے تحت دوسو سے زاید شراکت کاری کے منصوبوں پر

دستخط کیے۔ شریک ملکوں کی جانب سے رسی استقبال سے بڑھ

روڈ اینڈ بیلٹ منصوبہ چین کی خارجہ پالیسی میں اہم تبدیلی کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ تبدیلی ڈنگ ٹریاپنگ کی "bide and hide" پالیسی کے علی الرغم حالیہ چینی قیادت کی تراکت منششوں کی غماز ہے۔ بی آر آئی کے عظیم منصوبے کا اہم نقطہ معاشری اور سفارتی راہیں کھولتے ہوئے رابطہ استوار کرنا ہے تاکہ منصوبے میں شریک ملکوں اور چین کے درمیان تجارتی تعلقات مضبوط بنائے جائیں۔

روڈ اینڈ بیلٹ پروگرام کے تحت متعدد بری اور سمندری منصوبے ایک ساتھ تکمیل ہو رہے ہیں۔ زمینی منصوبوں میں سڑکیں، ریلوے اور پاپک لائسنس شامل ہیں جبکہ سمندری منصوبوں میں بذرگاہ اور ساحلی علاقوں میں ترقیاتی کام شامل ہیں۔ چین کے جنوبی علاقوں کا خطے کے جنوبی ممالک سے تعاون، منصوبے میں شامل دوسرے ملکوں اور بیجنگ کو یکساں طور پر پائیدار ترقی سے بہرمند ہونے کے تیز موقع فراہم کرتا ہے۔

حالیہ چند برسوں کے دوران چین نے مشرق وسطی کے ملکوں کے ساتھ معاشری اور سفارتی باتیں کو بڑی حد تک فروغ دیا ہے۔ بڑے حصے کے طور پر چین نے مشرق وسطی میں تو ادائی، انفارٹر کچر، تیزیات، زراعت اور فناں کے شعبوں پر توجہ رکھ رکھی ہے۔ چین اور دوسرے شریک ممالک بی آر آئی کو سعودی ویژن ۲۰۳۰ء، یو اے ای وژن ۲۰۲۱ء، اردن ۲۰۲۵ء، ترکی کے مدل کور بیڈور اور کویت کی ویژن ۲۰۳۵ء جیسی قومی بھالی کی ایکیموں میں ختم کرنے دلچسپی رکھتے ہیں۔

اپنے محل وقوع کی وجہ سے مشرق وسطی روڈ اینڈ بیلٹ کے لیے اہم ہے۔ یہ تین براعظملوں ایشیا، افریقا اور یورپ سرمایہ کاری کے ۵۵ فیصد کے مساوی تھا۔ عالمی تو ادائی ایکیمنی کی پیش گوئی، کہ چین ۲۰۳۵ء تک مشرق وسطی سے تیل درآمدات کو دو گناہ کرے گا، کو دیکھتے ہوئے اس رجان کے جاری رہنے کی امید ہے۔

بینگ اور ایران کے درمیان معابدہ، چین کی تازہ ترین

حاليہ سرمایہ کاری ہے۔ چار سوارب ڈالر مالیت کے معابدے

میں تو ادائی، انفارٹر کچر، دفاعی تعاون، نٹلیجنس کے تباہ لے اور

چین کو سستے داموں ایرانی تیل کی فراہمی جیسے منصوبے شامل

امریکا کی افریقا میں موقع کی تلاش

پورے ناظر میں ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ چین کا افریقی ممالک کے ساتھ تجارتی جم میں کوونا کے باوجود ۳۵ فیصد اضافہ ہوا ہے۔ چین نے واضح طور پر یہ حکمت عملی اختیار کی ہے کہ ترقی اور معافی استحکام کو جمہوریت اور انسانی حقوق پر فوکس حاصل ہے۔ چین کی یہ حکمت عملی دراصل پائیدن کے میانے کے بالکل برخلاف ہے۔

ماں میں ۲۰۲۰ء میں فوجی بغاوت کے بعد، پہلے درپے ناٹھیر اور پھر چڑا، جمہوریہ گنی میں فوجی بغاوتوں کے شسل کو اقوام متحده کے جزل سیکریٹری نے وبا سے تعبر کیا تھا۔ یہاں میں وضع احتراست کر دوں کہ امریکا انسانی حقوق کا واحد علمبردار نہیں۔ لیکن یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ امریکا انسانی حقوق اور اپنے نام نہاد اقدار کو پانی جیو پولیسکس ترجیحات سے زیادہ اہم تسلیم کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ آج امریکا اور خود افریقا کے خداویں یہی ہے کہ وہ جمہوریت کی بالادستی کو تکمیر کرے۔

درحقیقت افریقا کے لیے اہم ہے اگر وہ کسی امیر اور طاقتوں ملک کے ساتھ کوئی ڈیل کرے تو اس کے ہاں نظم

ممالک میں جتنی سرمایہ کاری کی ہے، یہ پوری مغربی دنیا اور سابقہ

نوآبادیاتی طاقتیوں کی مجموعی سرمایہ کاری سے زیادہ ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ فرانس کو بھی اس وقت ان افریقی ممالک میں

اپنے جاری منصوبوں میں مشکلات کا سامنا ہے۔ خداشہ ہے کہ

اس کے زیر اثر کی افریقی ممالک برطانیہ یا چین کی بلاکس میں

شامل ہو سکتے ہیں۔ چین کا افریقی ممالک میں براہ راست

قرضوں، انفراسٹرکچر اور نیکنالوجی کی شبکوں میں غیر معمولی

سرمایہ کاری اس وقت امریکا کے لیے بہت بڑا درس ہے۔

چین یہ سمجھتا ہے کہ اس وقت ان ممالک میں سرمایہ کاری

کا بہترین موقع ہے، کیونکہ کرونا کے بعد ان ممالک کے لیے

قرضوں کی ادائیگی خاصی مشکل ہو گئی ہے۔ تاہم ان ممالک

کے لیے یہ نظرے بھی موجود ہے کہ سرمایہ کاری کی بنیاد پر کہیں

چین ان کے ایئر پورٹ اور بندرگاہیں نہ ضبط کر لے۔ اس

بانیدن انتظامیہ افریقا سے متعلق ایک اہم اجلاس اس

ہفتہ واشنگٹن میں منعقد کر رہی ہے۔ حال ہی میں امریکا نے

افریقا کے متعلق اپنی نئی حکمت عملی کا اعلان کیا ہے۔ اس وقت

امریکا کے لیے افریقا کے ساتھ تعلقات کی حالی بہت اہم

ہے، جو ٹرینپ کے دور اقتدار میں خاصے متاثر ہوئے تھے۔

افریقا کے حوالے سے بانیدن کی نئی حکمت عملی دراصل دنیا بھر

میں امریکا کی گرفتی ہوئی ساکھی کی حالی کے لیے کی جانے والی

کوششوں کا تسلیم ہے۔ خصوصاً ان ممالک میں جہاں چین

کے غیر معمولی اثرات موجود ہیں۔

اگر چین افریقا میں اپنے قدم جملیتباہ تیاری امریکا کے لیے

ہرگز قابل قبول نہیں ہوگا۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ چین نے ان

بنگلادیش میں حسینہ واجد کی مخالفت

مقصد اجتماعی مظاہرے کو ظاہت کے ذریعے روکنا ہے۔ کچھ مغربی ممالک اور اقوام متحده نے بنگلادیش کی کمیہر سیاسی صورتحال پر تشویش کا اٹھار کیا ہے۔ ڈھاکا کا دعویٰ تو شروع ہی سے بھارت اور امریکا کا حلیف چلا آ رہا ہے لیکن حالیہ چند برسوں میں شیخ حسینہ واجد کی حکومت نے چین سے مضبوط بھی تھا کہ اسے امریکا اور یورپی ممالک کا تعاون بھی ملے گا، لیکن انہی ممالک کے میتاوں اور اخباروں نے خالدہ ضیا کی روابط استوار کرنے کی بھی کوشش کی ہے جس کے بعد یہ بنگلادیش میں انفراسٹرکچر کے متعدد منصوبوں کے لیے نے بنگلادیش میں کوئی نگران سرکاری مقرر کی جائے۔ میں نی پی کے ساتوں ارکان پاریمان نے اپنے استغفول کا اعلان کر دیا کیونکہ مانگا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ۲۰۲۲ء میں چنانہ ہونے تک ڈھاکا میں کوئی نگران سرکاری مقرر کی جائے۔ میں نی پی کے ساتوں ارکان پاریمان نے اپنے استغفول کا اعلان کر دیا کیونکہ شیخ حسینہ واجد نے ہر بار دھاندی کر کے چنانہ جیتا ہے۔

بی این پی کو بنگلادیش کے دائیں بازو کے طبقات کے علاوہ جماعت اسلامی کی بھی مکمل مجاہیت حاصل ہے۔ بنگلادیش کی بی این پی کی رہنمائیگم خالدہ ضیا نے اعلان کیا ہے کہ شیخ حسینہ واجد سرکاری حکومت میں مہنگائی آسمان جھوڑی ہے، لوگ اور سرکاری حکومت کے اشاروں پر ناچھے لگتے ہیں، غیر ملکی سرمایہ کاری کا جنم گھٹ گیا ہے اور روزگار ہو رہے ہیں، غیر ملکی سرمایہ کاری کا جنم گھٹ گیا ہے اور سرکار بھارت کے اشاروں کے سے سکتے ہیں۔ بنگلادیش نیشنل مسلمانوں کے مفادات کی بالکل بھی پروا نیں کرتی ہے۔

روہنگیا مسلمانوں پر میانمار کے مظالم اور بھارتیہ نا انصافی پر حسینہ واجد سرکاری خاموشی انتہائی قابل نہ مدت ہے۔ ان



کامیابی کا فلسفہ

اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے متاثر ہوتے ہیں اور بالکل اسی طرح آپ کے سروچ اور اعمال کا بھی دوسروں پر اثر مرتبت ہوتا ہے۔ عیل و دوطرفہ ہے اور کے بغیر جاری رہتا ہے مگر اس کے باوجود آپ کو یہ سیکھنا چاہیے کہ اپنی مرضی کی زندگی کس استعداد (صلاحیت اور سکت) پائی جاتی ہے مگر اس کے لیے طرح گزاری جاتی ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ کے سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ آپ اپنے ذہن کو سمجھیں، اس کی بات سنیں۔ ذہن کو سمجھنے پر آپ اپنی صلاحیتوں سے آگاہ ہو پائیں گے اور آپ میں وہ گلں پیدا ہو گی جو بھر پور کامیابی کے لوازم میں سرفہرست ہوا کرتی ہے۔ اگر آپ اپنے آپ سے واقفیت پیدا کر لیں تو انی ٹھیک شہد میعاد کے اندر اندر مطلوبہ تباخ، اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ کامیابی کی نئی نئی مزدیں طے کرنے کے لیے ماہرین نے بہت سے طریقے بھاجائے ہیں۔ ان میں سے ہر طریقہ آپ کی استعداد کے مطابق اور آپ کی دسترس میں ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ آپ کچھ کرنے کے لیے ذہن کو تیار کرنے میں کامیاب ہو پائے ہیں یا نہیں۔

تو آئیے، ہم اس حسین وادی کی جانب اپنا سفر شروع کریں، جسے لوگ کامیابی کے نام سے جانتے ہیں۔ زندگی کی گاڑی کا اسٹریمنگ ہیلیں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ایک لیلیٹر بھی آپ کو دبانا ہے اور بریک بھی، میں صرف رہنمائی کروں گا۔ جب آپ سفر کریں گے جب اندازہ ہو گا کہ کامیابی کی شاہراہ پر ہر سنگ میں نئی آسانی لاتا ہے۔ ایک سہولت دوسرا سہولت کو جنم دیتی ہے اور یوں جنمی منزل تک پہنچا آسان سے آسان تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

ایک دنیاں بلکہ بہت بڑی تعداد میں ایسے لوگ آپ کو ملیں گے جو یہ کہیں گے کہ کسی خاص کام کو انجام دینے کی صلاحیت آپ میں نہیں۔ ایسا سب کے ساتھ ہوتا ہے۔ بہت کم لوگ کسی کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اگر منقی ریمارکس میں تو دل برداشتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ کبھی آپ نے سوچا ہے کہ ان لوگوں نے کتنے بڑے کارنے اے انجام دیے ہیں جنہیں دنیا نے کندہ ہن اور ناکارہ قرار دے کر مسترد کر دیا تھا؟ ممکن ہے آپ کسی بلکہ کی روشنی میں یہ کتاب پڑھ رہے ہوں! کس نے ایجاد کیا تھا بلب؟ ایڈیسن نے؟ اور ایڈیسن نے رسی تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ اس بات کو یوں کہنا بہتر ہو گا کہ اسے رسی تعلیم حاصل کرنے سے روک دیا گیا تھا۔ اس کے اساتذہ کا

Napoleon Hill

آپ میں اور دنیا کے ہر انسان میں کامیابی کے لیے درکار استعداد (صلاحیت اور سکت) پائی جاتی ہے مگر اس کے باوجود آپ کو یہ سیکھنا چاہیے کہ اپنی مرضی کی زندگی کس طرح گزاری جاتی ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ کے ذہن میں کیا ہے، وہ کس طرح سوچتا ہے اور یہ کہ اپنے خوابوں کو آپ کس طرح شرمندہ تعمیر کر سکتے ہیں۔ ہر انسان اپنی خواہشات کو دوسرا ہر چیز سے عزیز تر رکھتا ہے۔ آپ کے بھی کچھ خواب ہوں گے، کچھ خواہشات ہوں گی۔ کیا ان خواہشوں کی تکمیل آپ کا حتیٰ مقصد نہیں؟ اس سوال کا جواب یقیناً اثبات میں ہو گا۔ ہر دور کے مفکرین نے اس لکھتے پر بہت زور دیا ہے کہ انسان کو اپنے وجود سے آشنا ہونا ہی چاہیے۔ اپنے آپ کو پہچانے اور جانے ہی سے کامیابیوں کی راہ ہموار ہوا کرتی ہے۔ اپنے آپ کو پہچانے بغیر کوئی بھی شخص دولت حاصل کر سکتا ہے نہ ڈنی سکون۔ جو لوگ اپنے آپ کو پہچانے بغیر آگے بڑھنا چاہتے ہیں انہیں صرف ناکامی ملتی ہے۔

تو آئیے، ہم اس حسین وادی کی جانب اپنا سفر شروع کریں، جسے لوگ کامیابی کے نام سے جانتے ہیں۔ زندگی کی گاڑی کا اسٹریمنگ ہیلیں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ایک لیلیٹر بھی آپ کو دبانا ہے اور بریک بھی، میں صرف رہنمائی کروں گا۔ جب آپ سفر کریں گے جب اندازہ ہو گا کہ کامیابی کی شاہراہ پر ہر سنگ میں نئی آسانی لاتا ہے۔ ایک سہولت دوسرا سہولت کو جنم دیتی ہے اور یوں جنمی منزل تک پہنچا آسان سے آسان تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

ایک دنیاں بلکہ بہت بڑی تعداد میں ایسے لوگ آپ کو ملیں گے جو یہ کہیں گے کہ کسی خاص کام کو انجام دینے کی صلاحیت آپ میں نہیں۔ ایسا سب کے ساتھ ہوتا ہے۔ بہت کم لوگ کسی کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اگر منقی ریمارکس میں تو نیابت کرنے والا انسان اپنے خیالات اور پسند کے مطابق زندگی گزارے، اپنے مقاصد اور اہداف کا تعین کرے اور انہیں حاصل بھی کرے۔ اپنے ذہن پر قابو پا کر آپ اپنی زندگی میں انتقالی تبدیلیاں لاسکتے ہیں، بہتر زندگی لسکر کر سکتے ہیں۔

آپ ایک ایسی دنیا میں زندگی گزار رہے ہیں جس میں ہر وقت خارجی عوامل آپ پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ آپ دوسروں کے خیالات اور اعمال سے، قوانین و قواعد سے اور خود

حکمرانی میتحتم بنيادوں پر استوار ہو۔ باسینڈن انتظامیہ سے یہ سوال کیا جانا چاہیے کہ کب وہ حقیقی معنوں میں اپنے دعوے پر عمل کرے گی کہ اس نے دنیا بھر میں انسانی حقوق کے اداروں کو مضمبوط بنا دیا ہے۔

کیا باسینڈن نے نہیں دیکھا جب روں نے یوکرین پر جملہ کیا تو اس موقع پر اقوام متحده میں امریکا نے افریقی ممالک کو نظر انداز کیا جبکہ اقوام متحده میں ان ممالک کی اقبال ذکر نہیں موجود ہے۔ یہی وجہ ہے جب روں کی اقوام متحده میں انسانی حقوق کو نسل کی رکنیت، معطل کرنے کے لیے ووٹنگ کی گئی تو صرف امریکا کے اہم اتحادی ملک جنوبی دیے۔ جبکہ اقوام متحده میں امریکا کے اہم اتحادی ملک ایڈیک کی تھی۔

اب باسینڈن انتظامیہ یہ کہتے نظر آرہی ہے کہ وہ اوبا کے دور میں شروع کیے گئے مخصوصوں کو دوبارہ بحال کرے گی، اور باہمی مفادات، اعتدال کو بحال کرتے ہوئے افریقی ممالک کے وسیع تر مفادا میں کام کرے گی۔

اظہار "افریقا سمٹ" میں امریکی ذمہ داران نے کہا ہے کہ وہ افریقی ممالک سے نہیں کہیں گے وہ اپنے لیے کس کمپ کو اختیار کرتے ہیں۔ ایک جائزے کے مطابق ۲۰۰۴ء میں لوگوں نے امریکا کے حق میں، ۲۳ فیصد جنین کے حق میں بکھر ۳۵ فیصد نے روں کے حق میں رائے دی، برطانیہ کے حق میں ۲۶ فیصد نے حصہ لیا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ افریقی عوام کسی ایک طاقت پر انحراف نہیں کرنا چاہتے بلکہ وہ کمی طائقوں کے ساتھ رہنا اور ان سے استفادہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

امریکا کی پوری کوشش ہے کہ وہ یہاں اپنے ایک ایڈیشن اور بالادستی کو قائم رکھے، کیوں کہ یہ اس کے مفاد میں ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ افریقا کے حوالے سے ٹرمپ کے متعصبانہ جذبات نے تعلقات کو بہت زیادہ متاثر کیا تھا۔ اب باسینڈن انتظامیہ نے بہت تاثیر کے بعد یہ عزم ظاہر کیا ہے کہ وہ افریقا کے ساتھ کثیر جمیت اور ہمہ پہلو قوانون کرے گی۔

اس تناظر میں امریکا کی خواہش ہے کہ افریقا کو تعلیم، سیکورٹی، وہشت گردی سے نمیختے، غذا اور جناس کی فراہمی اور معاشی استحکام کے لیے تعاون فراہم کرے۔ لیکن اس خوشنما اعلانات پر عمل درآمد کے لیے باسینڈن انتظامیہ کو عملی اقدامات کرنے ہوں گے۔

"The US scramble for Africa".
(aljazeera.com". December 13, 2022)



بات کو جی کاروگ بنا لیا ہوتا تو کیا ہوتا؟ ہم ایک اچھی گلوکارہ سے محروم رہے ہوتے! اگر وہ دل برداشت ہو جاتی تو وہیں اس کی صلاحیتوں نے دم توڑ دیا ہوتا۔ مگر وہ جانتی تھی کہ کسی کی رائے کو اپنے ذہن پر مسلط کر لینا کسی طور درست نہیں اور اسی لیے اس نے اپنے وجود پر بھروسایکھا، گلوکاری سیکھا، اور ثابت کیا کہ اسے مستدر کرنے والی اخترائی سر اسر غلط تھی۔

بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اتنا میں ہی کامیابی سے ہم کارہ ہو جاتے ہیں اور آسانیاں ان کی راہ تھیں۔ اس بات پر پختہ یقین رکھیے کہ ہر مصیت، ہر مشکل، ہر پیشان آپ کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اگر آپ ثبت فکر کے حامل ہیں اور حالات پر گھری نظر رکھنے کے عادی ہیں تو ہر مشکل آپ کے لیے سنہری موقع تھا بات ہو گی۔ ہر پیشانی کامیابی کا امکان اپنے ساتھ لاتی ہے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ حالات آپ کو چھڑا دیں مگر آپ کپڑے جھاڑ کر پھر اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکتے ہیں۔ پھر لیل اور کانٹوں بھری پگڈی ٹیاں بے شک آپ کی راہ میں حائل ہوں گی مگر ایک ناایک دن آپ اس شاہراہ پر ضرور جائیں گے جو آپ کو کامیابی کی طرف لے جائے گی۔ شرط صرف یہ ہے کہ آپ سفر جاری رکھیں۔

ہو سکتا ہے کہ آپ یہ سچیں کہ اس اصول یا کیمی کا اطلاق صرف چھوٹے اور سادہ معاملات پر ہوتا ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ اگر آپ میں صلاحیت ہے، حوصلہ ہے اور حالات کو سمجھنے اور مسلسل مختصر کرنے کی الیت ہے تو آپ کسی بھی قبیل المیعاد یا طویل المیعاد مقصد کو حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر انسان اپنے ارادوں کو جوان رکھے تو کسی ملک کو آزادی دلانے سے اس کا پہلا صدر بننے کا مقصد بھی حاصل کر سکتا ہے۔

میں ۱۹۱۰ء میں مینوئیل کوئیزون کا ذاتی مشیر ہاں۔ میں نے انہیں محض سیاسی امور میں مشوروں ہی نہیں نوازا بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر ان میں وہ اعتماد بیدار کرنے کی کوشش بھی کی جو کسی بھی اعلیٰ تر مقصد کے حصول کے لیے بنیادی ضرورت ہوا کرتا ہے۔ اور پھر میں نے انہیں ایک آزاد ملک کے پہلے صدر کے روپ میں بھی دیکھا، مگر یہ سب راتوں رات ہنپیں ہوتا۔ کوئی زون اپنے ملک فلپائن کو بیرنی تسلط سے آزاد کرنے اور اس کا پہلا صدر بننے کے خواہش مند تھے۔ میں نے انہیں قدم قدم پر یقین دیا کہ ان کا یہ خواب شرمندہ تعبیر ہو گا مگر اس کے لیے انہیں بہت محنت کرنا ہو گی اور بہت صبر سے کام لینا ہو گا۔

مقاصد کے حصول کی پہلی شرط یہ ہے کہ ان کا تعین کر لیا جائے اور یہی فیصلہ کرنے مرحلہ ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مقاصد کا تعین بہت آسان ہے، مگر اس حوالے سے میعاد کا تعین بہت

قائم کیا جا رہا تھا کہ میرے لیے تو کوئی سمجھا شدی ہی باقی نہیں رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے لیے اب کچھ نہیں چاہا۔

میری نئی ماں نے ثابت کیا کہ وہ میرے لیے نیزندگی ہیں۔ انہوں نے میری ہٹوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر میرا چہرہ اور پر کیا اور میری آنکھوں میں جھاٹک کر چند الفاظ ادا کیے اور یہ الفاظ میری زندگی میں انقلاب پہا کر گئے۔ انہوں نے کہا ”یہ بچہ اس کا ذہنی کا یا کہیں کا بھی سب سے بُرا بچہ نہیں۔ یہ تو بہت ذہن اور باصلاحیت ہے۔ اگر کوئی واضح مقصد سامنے ہو تو یہ بہت کچھ کر سکتا ہے۔“

یہ پہلا موقع تھا جب کسی نے میرے لیے کوئی اچھی بات کہی تھی۔ میں تن کر کھڑا ہو گیا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے مجھ میں نئی روح پہونچ دی ہے۔ میں نے اسی وقت انذار لگایا کہ جس عورت کو لوگ سوتیل کہہ کر مجھے ڈرار ہے تھے وہ ان چند لوگوں میں سے ہے جو دوسروں کو ان کی صلاحیتوں کے بروئے کار لانے میں غیر معمولی مد فراہم کرتے ہیں۔ جرائم پیشہ افراد کے ساتھ میں جوں کا وہ میری آخری دن تھا۔ اب میں بدل پکا تھا۔ میں نے زندگی نئے سرے سے شروع کی۔ رفتہ رفتہ مجھ پر یہ بات مکشف ہوئی کہ مجھ میں تو اچھا لکھنے کی خداداد صلاحیت موجود ہے۔ میری (عنی) ماں نے مجھے ٹائپنگ سکھائی۔ تاپ رائز کی مدد سے میں نے تیزی سے لکھنا سیکھا اور پھر میں اخبارات کے لیے مضمایں لکھنے لگا۔ وقت نے میری راہ میں حائل مشکلات دور کیں۔ میں کامیاب افراد کے اثر پوکرنے کا ہر سبھی سیکھ گیا اور یہیں مجھے اینڈر یوکار بینیگی کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ اینڈر یو سے میری پہلی ملاقات دراصل ایک اثر پوکر پر مشتمل تھی اور یہ اثر پوکر یو تین دن اور تین رات جاری رہا۔ اس اثر پوکر کے بعد ہی میں نے یہ سوچا کہ مجھے انہی کامیاب افراد سے ملاقات کر کے ان سے ان کی کامیابی کا راز معلوم کرنا چاہیے، تاکہ ایک عام آدمی کو بہتر زندگی گزارنے کی ترغیب ملے۔ اسی مشن نے آگے چل کر انفرادی کامیابی کے علم سے متعلق تنظیم کو جنم دیا جو آج دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس نتیجے نے کروڑوں افراد کو دولت اور ہنپی سکون کے حصول میں مددی ہے۔

عظیم اوپر اشارہ، میدم شمن ہائنک جب بہت چھوٹی تھیں اور اس بات کے دور تک آثار نہیں تھے کہ وہ ایک دن شہرت کی بلند یوں کوچھونے میں کامیاب ہوں گی تب وہ ایک دن موسيقی کے ایک استاد کے پاس آؤٹیشن کے لیے پہنچیں۔ اس نے مس ہائنک کو چند منٹ سناؤ پھر یہ رائے دی ”بہتر ہے کہ تم گھر پر کپڑے سینا سیکھو۔“ اب ذرا سوچیے کہ اگر شمن ہائنک نے اس

خیال یہ تھا کہ وہ کندہ ہن ہے، الہا اسکوں کی تعلیم حاصل نہیں کر سکتا اور یہو اسے اسکوں سے نکال دیا گیا۔ ایڈیسن بدل ہو کر ایک طرف بیٹھ جاتا، اگر اس کے دل میں غم ہر چیز کی وجہ سے پر اپنری کی تعلیم پانے کے قابل بھی نہیں۔ اس نے حوصلہ نہیں ہاڑا اور سری تعلیم کے بغیر ہی عملی زندگی کا آغاز کیا۔ ذرا سوچیے کہ اگر وہ دوسروں کی رائے کے آگے ہتھیار ڈال دیتا تو آج اسے کون جانتا؟ ایڈیسن کو جو سبق بعد میں سیکھنا تھا وہ اس نے بہت پہلے سیکھ لیا..... یہ کہ دوسروں کی رائے سے مرعوب یا مغلوب ہو کر زندگی گزارنا کسی طور درست نہیں اور یہ کہ اگر کسی شعبے میں رسمی تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہ ملا ہو تو کوئی غم نہیں، اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ دوسروں کی صلاحیتوں اور تو انکی سے کس طرح استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ جب ایڈیسن نے اپنے ”کندہ“ ذہن کو قابو میں کیا تو کامیابی کی راہ ہموار ہو گئی اور ایجادات کا تانتا بندھ گیا۔

ایک وقت وہ بھی تھا جب مجھ پر بھی ناکارہ ہونے کا لیبل چپاں کیا جا چکا تھا۔ میری والدہ کا انتقال ہو چکا تھا اور میں رشید داروں کے ساتھ رہتا تھا۔ ان کی اور والد کی نظر میں میری حیثیت محض ایک مسئلے کی تھی۔ سب کی متفق رائے یہ تھی کہ اب میں کسی کام کا نہیں اور زندگی میں کچھ نہیں کر سکتا۔ سبھی کا یہ خیال تھا کہ میری زندگی گزاروں گا۔ میرا حال یہ تھا کہ راتوں کو گھر سے غائب رہتا تھا اور جرائم پیش افراد کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارتا تھا۔ میرے پاس ایک ریور تھا اور اسے مہارت سے چلانا بھی میں نے سیکھ لیا تھا۔ مگر تھیک اسی مرحلے پر ایک عورت میری زندگی میں آئی اور اس نے مجھے اس طرح بدل دا کہ میں اپنی بچپنی زندگی کا مکمل طور پر بھول گیا۔ میں اپنی سوتیلی والدہ کا ذکر کر رہا ہوں۔

میرے رشید داروں نے سوتیلی والدہ کے حوالے سے میرے ذہن میں اتنی یا تین بھروسی تھیں کہ اگر میں ان سے پہلے ہی دن سے نفرت کرتا تب بھی حیرت کی کوئی بات نہ ہوتی۔ ویسے بھی نفرت کرنا بہت آسان کام ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جس دن میرے والد سے ان کی شادی ہوئی اس دن میرے ایک رشید دار کے گھر میں تقریب تھی۔ میرے والد نے اپنی نئی دلنہ سے میرا تعارف ان الفاظ میں کرایا ”اور یہ ہے تمہارا سوتیلہ بیٹا نپولین جو وائز کا وٹی کا شاید سب سے بُرا لڑکا ہے۔ اس سے ہمیں کسی خیر کی توقع نہیں۔ اگر یہ کل صحیح سے تم پر پتھر بر سنا شروع کر دے تو مجھے ذرا بھی حیرت نہیں ہو گی۔“

یہ باتیں سن کر مجھے ایسا لگ جیسے میرے پیروں تلے سے کسی نے زمین ہٹالی ہے۔ سوتیلی والدہ پر میرا ابتدائی تاثر اس طرح

تلویش اور تذبذب میں بٹلا تھے۔ تھیک پانچ سال بعد انہی اعلیٰ افران نے ایک بنس کا نفرس میں مجھ سے اور اسٹون سے ملاقات کی۔ مجھے اس وقت بہت جیرت ہوئی جب اسٹون نے تقریر شروع کی اور بتا دیا میں کہا ”خواتین و حضرات! دی کہاں ان شورس کپنی آف امریکا اب طلبانی انداز سے کامیابی حاصل کر رہی ہے، گرمنسٹرنولین بل کی آمد سے قبل یہ طلبانی انداز ناپید تھا“۔

جب میں نے اسٹون کی کمپنی سے واپسی اختیار کی تھی تو پالیسی ہولڈرز سے پریکم کی سالانہ آمدنی دو کروڑ ۲۰ لاکھ ڈالر تھی اور اسٹون کے اٹاؤں کی مالیت ۳۰ لاکھ ڈالر سے زیادہ تھی، مگر جب باہمی رضامندی سے اس سال بعد تم نے معاهدہ ختم کیا تب پریکم سے سالانہ آمدنی ۸ کروڑ ڈالر ہو چکی تھی اور اسٹون کے اٹاؤں کی مالیت ۱۲ کروڑ ڈالر سے زیادہ تھی! اب اسٹون کے اٹاؤں کی مالیت ۱۲ کروڑ ڈالر سے زیادہ تھی! آپ سوچیں گے اس رفاقت سے مجھے کیا ملا؟ جو کچھ اسٹون نے کیا اس کے مقابلے میں میرا مجموعی معاوضہ کچھ بھی نہیں تھا مگر میں یہ سب کچھ حصہ زر کے حصول کے لیے نہیں کر رہا تھا۔ میں کچھ ثابت کرنا چاہتا تھا۔ کیا؟ میں کہ جو لوگ انفرادی کامیابی کے فلسفے پر یقین رکھتے ہیں اور اسی کے ساتھ میں اپنی زندگی کو ڈھالتے ہیں وہ اس طرح طلبانی انداز سے ترقی کرتے ہیں جس طرح اسٹون اور اس کی کمپنی نے کی۔ اور اس سے بھی کہیں بڑھ کر میں نے پولین ہل فاؤنڈیشن کی بنیاد رکھی جس نے پورے امریکا میں ایسکول قائم کیے جو ہر شخص کو کامیابی کا فلسفہ سکھانے اور اس کی نفعیتی ساخت تبدیل کرنے میں مصروف ہیں۔ اگر میں یہ محوس کرتا کہ میری راہ نہماں میں کلیمیٹ اسٹون نے بہت کچھ حاصل کیا مگر میں اس معاملے میں پیچھہ گیا تو یقیناً مجھ پر قتوطیت سوار ہو جاتی اور پھر میری الجھنوں میں اضافہ ہوتا۔

مایوی کے انہیوں سے نکل کر کامیابی حاصل کرنے والوں کی فہرست بہت طویل ہے، مگر میں اشورس ایگزیکیوٹو آرنسلڈ ایڈی کی کہانی خاص طور پر بیان کرنا چاہتا ہوں۔ یہ معاملہ دراصل کلیمیٹ اسٹون کے معاملے سے بہت ملتا جلتا ہے۔ بعض مقامات پر تو اس کہانی میں ڈرامائیت کا غصہ بڑھ کی جاتا ہے۔ ریڈ بہت نمایاں کا کردگی کا حامل سیزا یگزیکیوٹو۔ اس کی کامیابی اشورس کے شعبے میں بہت کم لوگوں نے حاصل کی ہوگی۔ آئلڈر ریڈ کی سالانہ سیزا یگزیکیوٹو میلین ڈالر زیک جا کپنی۔ وہ ایک ایسی کمپنی میں ملازم تھا جس کے مالک کو وہ اپنا دوست خیال کرتا تھا۔ ریڈ کی بد قسمی (یا خوش قسمی!) کہ اس نے جو معاهدہ م Lazamت کے سلسلے میں کیا تھا اس کی آخری شق غور سے نہیں

ان کے سامنے بہت بڑی مشکل کھڑی ہو گئی۔ معہدے کا جاری رہنا، روپہ عمل رہنا پسندیدہ مقصد تھا۔ اس نے ۲۵ منٹ تک صورت حال پر غور کیا اور پھر اس نتیجے پر کچھ کہا کہ ان دونوں میں وہ کمپنی کو یہ سوچنے پر مجبور کرے گا کہ معہدے کا جاری رہنا خود اس کے حق میں سودمند ہے۔ کمپنی کے پاس بھی وجود کی کہیں تھی مگر ان پندرہ دنوں میں کلیمیٹ اسٹون نے اپنی حکمت عملی تبدیل کی اور کمپنی بہت سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر کچھ کہا کہ معہدے کا جاری رہنا ہی اس کے حق میں ہے۔ اور یوں کامیابی کی طرف اسٹون کا سفر بھی جاری رہا تاہم اب اس کے دل میں لکھا رہنے لگا کہ اپنے پیوں پر کھڑا ہونا پڑے گا۔ اس نے طے کیا کہ ۱۹۵۶ء تک وہ اپنی اشورس کپنی قائم کرے گا اور وہ ایسا کرنے میں کامیاب رہا۔ اس نے یہ بھی طے کیا کہ ۱۹۵۶ء تک وہ ایک کروڑ ڈالر مرجع کرے گا اور اس نے ایک کروڑ ڈالر مرجع کر لیے۔ بعد میں اس نے جو بھی اہداف مقرر کیے ان کے حصول میں زیادہ دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ جو شخص انفرادی کامیابی کے اصولوں کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہے اس کے نزدیک کوئی بھی ہدف ناممکن نہیں ہوتا۔ وہ اپنے آپ سے ہر معاملے میں کہتا ہے ”کیوں نہیں؟“

ایک بار میں نے سروے کیا کہ امریکا میں انفرادی کامیابی کے اصولوں پر یقین رکھنے اور پھر بھر پور مخت کر کے کامیابی سے ہم کنار ہونے والے انسانیاں تین افراد کوں ہیں۔ ان میں کلیمیٹ اسٹون تیسرے نمبر پر رہا۔ اینڈر یوکارنیگی اور ایڈیسن پہلے اور دوسرے نمبر پر تھے۔ ایڈیسن کو میں عظیم ترین موجود سمجھتا ہوں۔ اسٹون سے میری پہلی ملاقات ۱۹۵۳ء میں ہوئی تھی۔ میں نے ان سے رسم و راہ بڑھائی تو اس کے بارے میں بہت سے جیرت اگیر حقائق کا اکٹھاف ہوا۔ اس نے کاروباری زندگی کا آغاز ۱۰۰۰ ڈالر اور میری مشہور کتاب ”تھنک اینڈ گرورچ“ کی ایک کاپی سے کیا تھا۔ میں بھی اس شاندار کامیابی سے دنگ رہ گیا جو انہوں نے میری کتاب میں بیان کیے جانے والے کامیابی کے فلسفے پر عمل کر کے حاصل کی۔ اس سے خود مجھے بھی بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ میں نے اینڈر یوکارنیگی کے لیے ۲۰۲۰ سال اس موضوع پر تحقیق کی اور ۵۰۰ سے زائد کامیاب افراد کا انٹرو یوکر کے ان سے ان کی کامیابی کے راز معلوم کیے۔ عام آدمی کی راہ نہماں کے لیے اس تحقیق کے نتائج کو شائع کیا گیا۔ جب میں نے کلیمیٹ اسٹون کے لیے کام شروع کیا تو اس کی کمپنی کے بہت سے اعلیٰ افران نے اسے تو اتنای، صلاحیت اور وقت کا ضیاع قرار دیا۔ دراصل انہوں نے کامیابی کے فلسفے کے بارے میں کچھ بھی نہیں پڑھا تھا اس لیے اسٹون کے پاس زیادہ اٹاثے یا خطیر رقم نہیں تھی۔ اب

مشکل کام ہے۔ اس معاملے میں لوگ اندازے کی غلطی کر جاتے ہیں۔ میں نے مینوئیل کو یئزون کو یقین دلایا کہ اگر وہ فلپائن کو آزادی دلانے اور اس کے پہلے صدر بننے کے خواہش مند ہیں تو ان دونوں مقاصد کے حصول کے لیے حقیقت پسندانہ میعاد کا تعین کرنا ہو گا کیونکہ اسی صورت مطلوبہ مقاصد کی سمت بڑھا جاسکے گا۔ میں نے انہیں نفیا تی طور پر اس بات کے لیے بھی تیار کیا کہ کسی بھی شخص کی مخفی رائے کو اپنے وجود پر مسلط کرنے سے گریز کرنا ہے اور یہ کہ صرف وہی رائے قبول کی جائے گی جو ذکورہ مطلوبہ مقاصد سے ہم آہنگ ہو گی۔ مقاصد اور اس حوالے سے میعاد کا تعین کو یئزون کے لیے بے حد معاون عناصر ثابت ہوئے۔ ان کی راہ میں بہت سی مشکلات بھی حائل ہوئیں مگر ان کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی۔ ۲۰۲۰ سال اور ۲۰۲۱ میں مدت کے بعد کو یئزون فلپائن کے پہلے صدر متقرر ہوئے۔ کوئی اسے محض حسن اتفاق کا کرشمہ بھی فرادرے سکتا ہے۔ مگر کیا اس دوران ایک جگہ عظیم اور دوسرا بھی، بہت سی مشکلات کا نزول بھی اتفاق کے زمرے میں آئے گا؟ میں نہیں سمجھتا کہ کو یئزون کا آزاد فلپائن کے پہلے صدر کی حیثیت سے منتخب ہونا محض اتفاق تھا۔ میں نے انفرادی یا شخصی کامیابی کے اصول کو بہت سے لوگوں کی زندگی میں انقلابی تبدیلیاں لاتے دیکھا ہے۔ حالات خواہ کچھ ہوں، جو اپنے ارادوں میں اٹل اور محنت کرنے رہنے پر آادہ ہو، اسے بالآخر اپنے مقاصد میں کامیاب حاصل ہو جاتی ہے۔

اب میں ایک اور شخص کی مثال پیش کرتا ہوں جس نے کامیابی کے اس فارمولے کو اپنایا اور پھر کامیابی نے اسے اپنایا۔ ڈبلیو کلیمیٹ اسٹون کو کچنپن ہی سے اس بات کا احساس اور اندازہ ہتا کہ اگر اس نے محنت سے جی نہ چرایا تو اشورس کے شعبے میں بہت کم لوگ اس کی سی فیکنڈی الشال کامیاب حاصل کر پائیں گے۔ اسکول کے زمانے سے ہی اس نے اشورس پالیسیاں فروخت کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا اور پھر اتنی تیزی سے کامیاب حاصل کی کہ اس کی آمدنی اس کے اساتذہ کی آمدنی سے بھی بڑھ گئی۔ اب اس کے اٹاثے کروڑوں ڈالر کے بیچ ہیں اور اس کا کاروبار مسلسل بھیل رہا ہے۔

۱۹۴۶ء میں کلیمیٹ اسٹون ایک بڑی تباہی سے دوچار ہوا۔ اس وقت وہ ایک بڑی اشورس کمپنی کی نمائندگی کرنے والے ادارے کا سربراہ تھا۔ ایک دن کمپنی نے دو بھتوں کا نوٹس دے کر معاملہ ختم کر دیا۔ کمپنی حادثات اور محنت کے حوالے سے یہ پالیسیاں فروخت کیا کرتی تھی۔

اشعور اور لاشعور میں صرف اور صرف کامیابی تھی۔ ان میں یہ احساس جاگ اٹھا تھا کہ کچھ بن کے، کچھ کر کے دکھانا ہے۔ سب سے پہلے تو اپنے ذہن کو سمجھنا ہوتا ہے۔ اسی سے کامیابی کے شعور کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ ہنری فورڈ نے معیاری اور سنتی گاڑی تیار کی تو اس کامیابی پر اپنا سفر ختم نہیں کیا بلکہ اس بات کا بھی اہتمام کیا کہ لوگوں کو یہ گاڑی آسانی سے ملے یعنی پروڈکشن بڑے پیمانے پر اور با کافیت ہو۔ ہنری فورڈ کا خواب یہ تھا کہ ہر امریکی کو سنتی گاڑیاں آسانی سے ملیں تاکہ وہ پُر آسائیں زندگی بس کرنے کے قابل ہو سکے۔ اس خواب کو انہوں نے جنوبی شرمندہ تعبیر کیا۔ دیانتے دیکھا کہ آٹوموبائل کی صنعت کے حوالے سے فورڈ کا نام ناگزیر حیثیت اختیار کر گیا۔ اس کام کے لیے ہنری فورڈ کو سرمایا درکار تھا۔ بینک سرمایا فراہم کرنے کے لیے تیار تھے، مگر وہ نہیں چاہتے تھے کہ بینکوں سے قرض لے کر کار و بار کو وسعت دی جائے۔ اس صورت میں کمپنی کی مالیات پر بینکوں کی گرفت قائم ہو سکتی تھی۔ ہنری فورڈ نے ڈسٹری یوٹر زے رقом وصول کرنے کا طریقہ اپنایا۔ انہوں نے صرف ان ڈسٹری یوٹر ز کو گاڑیاں فراہم کرنے کا فیصلہ کیا جو صرف لفظ ”فورڈ“ کے علم بردار تھے! اگلے مرحلے میں انہوں نے اس بات کو یقینی بنایا کہ ڈسٹری یوٹر ز ایک خاص تعداد میں گاڑیاں خریدنے کے پابند ہوں اور ان سے ڈیلویوری سے قبل ہی قیمت کا ایک حصہ وصول کر لیا جائے۔ اس ایکیم سے ڈسٹری یوٹر ز کو فورڈ کمپنی میں پاسٹر کا درجہ مل گیا اور وہ زیادہ دل جمعی سے کام کرنے لگے۔ ہنری فورڈ کا کمپنی کے تمام معاملات پر کنٹرول قائم رہا۔ انہیں کار و بار کی توسعے کے لیے مطلوب سرمایا ملتا رہا۔ ڈسٹری یوٹر ز کو زیادہ فروخت کی صورت میں زیادہ منافع کمانے کی ترغیب ملی۔ اگر وہ اپنا کار و بار کر رہے ہو تو تب بھی ایسی ہی جذبے سے کام کرتے۔ چند ایک ڈیلز کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مگر خیر بحیثیت مجموعی تحریر بانہتا کامیاب رہا۔

اور اول اور ولبر رائٹ یعنی رائٹ برادران کے بارے میں آپ جانتے ہی ہوں گے کہ انہوں نے عملًا پہلا ہوائی جہاز دنیا کو دیا تھا۔ دونوں سائکل ملکیت تھے۔ سادہ الفاظ میں کہیے تو وہ دونوں سائکلوں کی مرمت کیا کرتے تھے۔ ان کا ذہن کام کرتا تھا اور اسی خوبی نے آگے چل کر فروغ پایا تو انہوں نے دنیا کی پہلی ”وینڈ میلن“ بنائی۔ اس چیز کو بنیاد بنا کر انہوں نے ہوائی جہاز بنایا۔ آج بھی اس دور کے حالت کو ذہن میں رکھ کو سوچیے تو یہ کار نامناً ممکن دکھائی دیتا ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ وہ کامیابی کے شعور سے سرشار تھے۔ ان کے شعور، تھت

دونوں میں ہوا جب میں گلیمینٹ اسٹون سے کار و باری رفاقت قائم کر رہا تھا۔

اب، بارہ سال بعد ”گریٹ کامن ویلٹھ لائف انشوہنس کمپنی“ کا شمارا پنے شبے کے کامیاب ترین اداروں میں ہوتا ہے۔ اس کامیابی پر بیکم کروڑوں ڈالر کا ہے۔ ریڈنے جو چاہا دیا۔ اس کمپنی نے فرید الشال ترقی کی ہے۔ ملازمین کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ پورے امریکا میں اس کی شاخیں ہیں۔ اس کی سماں کو ایستھنک ہے کہ لوگ نام پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ریڈ اس کامیابی کے نتیجے میں موت کے میب سائے سے باہر نکل آیا۔ اس کی باقوں میں ایک بار پھر زندگی سانس لینے لگی۔ وہ مااضی کو بھول جانا چاہتا ہے۔ ایک مرتبہ ریڈ نے میرا عارف اپنے عملے سے کرایا۔ اس کے ہاتھ میں ”تھنک اینڈ گروپ“ کی کامیابی تھی۔ اس نے کہا تھا ”اگر یہ کتاب میری زندگی میں نہ آتی اور اگر میں نے نپولین بیل کی صلاحیتوں سے استفادہ نہ کیا ہوتا تو آج میں زمین میں ۶ فٹ نیچے ہوتا!“ میرا تباہ پور عارف پہلے بھی نہیں کرایا گیا تھا۔ میں جذبات سے اس قدر مغلوب ہوا کہ میرے لیے چند جملے کہنا بھی انتہائی دشوار ہو گیا۔

گریٹ کامن ویلٹھ انشوہنس کی بھروسہ کامیابی نے ثابت کیا کہ آرملڈ ریڈ میں بے مثال قائدان صلاحیت تھی، مگر اسے خود بھی اس کا علم یا اندازہ نہیں تھا۔ اس نے جو کام بھی کیا پورے یقین سے کیا اور اپنے ساتھیوں کو بھی اعتماد میں لیا۔ یہ دنیا بیان نہ ہوں تو کوئی بھی شخص کسی بھی میدان میں غلطیت سے ہم کنار نہیں ہو سکتا۔

میں نے زندگی کے مختلف شعبوں میں بے مثال کامیابیاں حاصل کرنے والے بینکوں افراد کا انترو یوکیا اور ان کی باقوں سے میں نے نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ان کی کامیابی کا بنیادی سبب یہ تھا کہ ان کے ذہن میں صرف ایک چیز تھی اور وہ تھی کامیابی۔ ان کی ساری ڈنی قوت صرف کامیابی کے نتکے پر مکون تھی۔ وہ زندگی میں اور کسی چیز کے خواہش مند نہیں تھے۔ سوتے جا گئے، اٹھتے بیٹھتے وہ صرف اور صرف کامیابی کے بارے میں سوچا کرتے تھے اور اس سوچ ہی سے ان کے اعمال کا تین یعنی بھی ہوتا تھا۔ ان میں سے چند ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ بہت سے ایسے بھی تھے جنہیں رسی ابتدائی تعلیم بھی صحیح ڈھنگ نہیں مل تھی۔ ہنری فورڈ کی مثال اس سلسلے میں بہت نمایاں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسی یا عمومی تعلیم کے ہونے یا نہ ہونے کا کامیابی کے لیے مطلوب ذہنیت سے کوئی تعلق نہیں۔ جو لوگ بھروسہ کامیابی کو اپنا ہدف بناتے ہیں ان کی ذہنیت ہی الگ ہوتی ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ وہ کامیابی کے شعور سے سرشار تھے۔ ان کے شعور، تھت

پڑھی تھی۔ اس کی رو سے وہ سالانہ پر بیکم پر کمیشن کا مستحق نہیں تھا۔ انشوہنس کے بڑنس میں بھی وہ ترغیب ہے جو کام کرنے کی لگن کو جوان رکھتی ہے۔ ظاہر ہے کہ آرملڈ اپنی مقربہ تنخواہ سے ایک سینٹ بھی زیادہ لینے کا حقdar نہیں تھا۔ اس حقیقت کے انکشاف نے اُسے بستر سے لگادیا۔ اس کے حواس نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ کئی دن تک اس کی حالت ان لوگوں کی سی تھی جن پر کسی سگین حادثے کے نتیجے میں سکتہ طاری ہو جایا کرتا ہے۔ اس نے اس صورت حال کا ایسا اثر لیا کہ اپنے دوستوں سے ملنا اور بات کرنا بھی چھوڑ دیا۔ کھانا پینا بھی کسی ربط کے دائے میں نہ رہا۔ ڈاکٹروں کو طلب کیا گیا، گروہ بے چارے بھی کیا کرتے؟ جسم میں کہیں گڑ بڑ نہیں تھی۔ جسم پیار تھا ہی کب؟ پیچیدگی تو ذہن میں تھی۔ وہ اپنے آپ سے رابطہ کر چکا تھا۔ یہ صورت حال بہت خطرناک تھی مگر اسے اس کا ذرا بھی احساس نہیں تھا۔ وہ کسی کی بات سننے کے لیے تیار نہ تھا۔ ریڈ بہت آہستھی سے موت کی سمت بڑھ رہا تھا اور اسے اس کا احساس تک نہیں تھا۔ اس کی بیماری ایسی تھی جس کا کسی ڈاکٹر کے پاس علاج نہیں تھا۔ جو ڈاکٹر اس کا چیک اپ کر کچے تھے انہوں نے بھی لا چاری ظاہر کردی تھی، مگر پھر ایک مجذہ رونما ہوا۔ میرے فلاٹ کامیابی کا ایک معقرر ریڈ کا دوست تھا۔ اس نے ریڈ کو میری کتاب ”تھنک اینڈ گروپ“ دی۔ اس نے کہا ”یہ کتاب مجھ سے سیکھ لاؤ گوں افراد کی زندگی بدل چکی ہے، تم بھی اسے ضرور پڑھو۔“

ریڈ نے کوئی جواب نہیں دیا، کتاب لی اور ایک طرف ڈاں دی، ٹھوڑی دیر بعد دوست چلا گیا۔ کی گھنٹے کر گئے۔ شام کی چائے کے بعد ریڈ نے یونہی بدلی سے کتاب اٹھائی اور ورقہ گردانی شروع کی۔ اچانک کوئی پیچہ ڈک کر گئی۔ اس نے پوری توجہ سے پڑھنا شروع کیا۔ ایک ہی نشست میں اس نے کتاب ختم کر لی۔ دوبارہ پڑھی اور پھر اس میں زندہ رہنے کی لگن بیدار ہوئی چلی گئی۔ مایوس امید میں بدل گئی۔ اس نے ڈنی تیاری کی اور اپنے ان تمام دوستوں کو خطوط لکھنا شروع کیے جو اسے انشوہنس سیلز میں کے حوالے سے جانتے تھے۔ ان خطوط میں اس نے دوستوں کو دعوت دی کہ وہ ایک بڑی انشوہنس آرگانائزیشن میں اس کے ساتھ شرکت اختیار کریں۔ اس ادارے کا نام اس نے ”گریٹ کامن ویلٹھ لائف انشوہنس کمپنی“ تجویز کیا۔

دوستوں نے ریڈ کی پیشکش کا فوری اور شبت جواب دیا۔ اس نے جو رقم تجویز کی تھی اس سے کہیں زیادہ وصول ہوئی اور اس کا بڑا حصہ بھیجنے والوں کو واپس دینا پڑا۔ یہ سب ٹھیک انہی

چین روں تعلقات، کمان کس کے ہاتھ میں ہے؟

سے دھنلا گیا جب روسی فوج ڈپنیک کے مشرقی حاذ سے شکست کھا کر پچھے ہٹ گئی۔

جنوبی کوریا، جاپان اور آسٹریلیا جیسی علاقائی طاقتوں سمیت

مغرب کے اتحاد اور پک کے مظاہرے نے روس اور چین کو جریت میں ڈال دیا ہے اور خلی میں چینی توسعہ پسندی کے متوازی خطرات اور بیلٹ اینڈ روڈ انیشی ایجی (بی آر آئی) کے ذریعے طاقت کے حصول کے لیے اس کی عالمی رسائی کو اجاگر کیا ہے۔ چینی نے اپنی سابقہ نہم امن پسندی کی پالیسی کو تبدیل کر دیا ہے، اور جاپان اپنے دفاعی پروگراموں کو تیز کرنے کے لیے تیار نظر آتا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی پیش رفت چینی مفادات کے لیے فائدہ مند نہیں ہے۔ یہاں تک کہ چین کی اقتصادی مدد، جس کا دونوں رہنماؤں کی بات چیت کے بعد جاری کیے گئے بیان میں پیش رفت کے ایک اہم شعبے کے طور پر حوالہ دیا گیا ہے، کریملن کے لیے دو دھاری تلوار ہے۔

مغربی تو اتنا تی کی منڈی یوں کے نقصان کے ساتھ چین ارب روں کی اہم برآمدی منڈی بن گیا ہے اور صدرشی نے درحقیقت اپنا جو تاریخی میഷٹ کی دنڈ پاسپ پر کھدیا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ روس آسانی سے چینی سے سرمایہ کاری اور ٹیکنالوژی پر بہت زیادہ انجام کر سکتا اور بی آر آئی نیو کاؤنسل کی طرح کا قبضہ ہے۔ یہاں تک کہ ماڈ کے زمانے میں اور ایک مشترکہ مارکسٹ لینینٹ نظریے کے تحت، جب چین اور روس عالمی کیونٹ انقلاب کی قیادت کے لیے لڑ رہے تھے اور ان کی دشمنی بھی کھار سرحدی تشدد میں بدل سکتی تھی، امریکا سے ان کی باہمی دوری نے انہیں قریب لانے کا سامان پیدا کیا تھا اور اسکے طور پر دیوار بھی بھی موجود ہے اور تعلقات یک طرفہ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ چین کو روں سے زیادہ مغرب کی ضرورت ہے اور روں کو چین کی ضرورت ہے، چین کو روں کی نہیں۔

ان رہنماؤں کی الگی ملاقات کے وقت تک جب صدرشی ماںکو کا سرکاری دورہ کریں گے، چینی مہماں طور پر یوکرین میں جنگ کے خاتمے اور اس کے تیجے میں عالمی معیشت میں اسکھا کم دیکھنے کو ترجیح دے گا۔

اس دوران یوکرین میں جنگ کے خاتمے کا مطلب ولادی میر پوتھ کی ممزولی اور روسی دارالحکومت میں تقریب کے لیے ایک نئی میزبان کو دیکھنا ہو سکتا ہے۔ اگر یہ چین کے مفاد میں ہوتا تو صدرشی اسے یکسوئی کے ساتھ قبول کر لیتے کیوں کہ بہترین دوستی کی بھی اپنی حدود ہوتی ہیں۔

(بحوالہ: ”انڈی پڈنٹ اردو و اسٹ کام“، ۲۰۲۲ء)

کے بارے میں بے وقوف بنے رہے کیوں کہ بعد میں انہیں حقیقت سمجھ میں آئی۔

لیکن پوتھ کے نئے دوست اور حلیف شی جن پنگ کے ساتھ ایسا نہیں ہے، جنہوں نے کل ہی ایک ویڈیو کا فرنٹ میں ان کے ساتھ بات چیت کی۔

جب صدرشی نے گذشتہ سال فروری میں یوکرین پر روسی حملے سے قبل اعلان کیا تھا کہ ماںکو کے ساتھ بیجنگ کی دوستی کی دوئی حد نہیں ہے، تو شاید ان کے ذہن میں مغرب کے ساتھ تھرمو نیکلیٹر جنگ کا خطہ نہیں تھا، جو کہ ارض کو تباہ کر دے گی۔ یہ چین اور صدرشی کو فرا موشی میں لے جائے گی۔ اور نہ ہی حقیقت میں صدرشی نے اس بات کا تصور کیا کہ اب یوکرین میں ایک طویل جنگ جاری ہے، جس کا کوئی خاتمہ نظر نہیں آ رہا ہے، جو عالمی تجارت کو بہت زیادہ نقصان پہنچا رہی ہے اور اس وجہ سے ہی چین کی صعیق برآمدات مٹاڑ ہو رہی ہیں۔ اور نہ ہی صدرشی سے ہی چین کی صعیق برآمدات مٹاڑ ہو رہی ہیں۔ اور نہ ہی

مشترکہ پوتھ نے اس کا تصور کیا تھا، جنہوں نے اپنی فتح کے بارے میں اسی اعتماد کا ظاہر کیا، جو انہوں نے میدان جنگ میں اپنی افواج کی تذلیل سے پہلے باقی دنیا کے سامنے لے کیا تھا۔ اس رشتے میں یہ، بہت واضح ہے کہ اب کمان کس کے ہاتھ میں ہے۔ چین دنیا میں روں کا واحد اہم اتحادی ہے اور سخت مغربی پابندیوں کے دور میں اپنی معاشری بقا کے لیے اس پر اور بھی زیادہ انجام کر کچا ہے۔

چین جو اس وقت کو رونا بحران کی گرفت میں ہے، کی میشیت مغرب کی جانب سے سرمایہ کاری ختم کرنے اور اس کی برآمدات پر پابندیاں لگانے سے پہلے بھی، روں کی نسبت کہیں زیادہ مضبوط ہے۔

درحقیقت تازع کے دوران روں کے ساتھ چین کی دوستی کی حدیں واضح تھیں اور کچھ کو عالمی سطح پر تسلیم کیا گیا ہے۔ چین مغربی پابندیوں کے خوف سے روں کو اس نامیدی والی جنگ میں کوئی اہم فوجی کمی ساز و سامان فروخت نہیں کرے گا، جس میں تبدیلی کا بھی امکان نہیں ہے۔

بیجنگ کو شاید یوکرین کے مستقبل کی زیادہ پروانہ ہو لیکن وہ بلا وجہ امریکا کو اسمانا نہیں چاہے گا، کیوں کہ یوکرین کا تازع پہلے ہی چین کے لیے غیر مددگار ثابت ہوا ہے۔ مثال کے طور پر تائیوان پر تیزی سے حملہ کرنے کے لیے یوکرین کی نظری اور خلفشار دنوں کو استعمال کرنے کا اس کا خواب اس وقت تیزی

حقیقت یہ ہے کہ چین کو روں سے زیادہ مغرب کی ضرورت ہے اور روں کو چین کی ضرورت ہے، چین کو روں کی نہیں۔

ٹونی بلیز کے دور سے تعلق رکھنے والے برطانوی خارجہ پالیسی کے آر کائیوز کی ریلیز اس وقت کی یاد دہانی کرواتی ہے، جب دنیا کو ایمیڈی تھی کہ روں کے اس وقت کے نوجوان نے رہنماؤں کی اتفاقوں ایبرڈری کا حصہ بنائے ہیں۔ سال ۲۰۰۱ء میں ٹونی بلیز نے دوسرے یورپی رہنماؤں اور واشنگٹن میں جارج ڈبلیو ایش کی طرح روں کے ساتھ سفارتی طور پر بہت زیادہ تو اتنا تی خرچ کی۔

جارج ایش نے اس وقت عوامی طور پر پوتھ کے بارے میں کہا تھا کہ میں نے اس شخص کی آنکھوں میں دیکھا۔ میں نے انہیں بہت کھرا اور قابل بھروسہ پایا۔ میں نے ان کے اندر کے احساس کو جان لیا تھا۔

ادھر ٹونی بلیز نے صدر پوتھ کو چاندی کے کفلنک کا ایک سیٹ سائلکرہ کے تھے کے طور پر بھیجا تھا۔ لیکن اب ہم یہ بھی جان پکھے ہیں کہ مغرب کے صلاح کار اس وقت بھی زیادہ محتاط رہیا تھیا کرنے پر زور دے رہے تھے، اس بات کو منظر رکھتے ہوئے کہ جب (یورپ اور امریکا) ان سے پر ایمید تھے، اس وقت بھی روں مغربی مفادات کو نقصان پہنچانے کے لیے اٹھی جس انجمنس تعینات کر رہا تھا۔

اب ہم یہ بھی جان پکھے ہیں کہ پوتھ کی اصلاح پسندانہ جبلت اسی وقت سے حاوی تھی، جب انہیں شرقی جنمی کے سویت اٹیلی جن کے بھی بی بی کے اٹیشن سے واپس بلا بیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ ۲۰۰۱ سال پہلے انہوں نے سوویت یوین کے

زواں اور مشرقی یورپ میں اس پرانہ انجام کرنے والی ریاستوں کے بلاک کوتاری تھی تا سب کے سامنے کے طور پر دیکھا اور اس وقت بھی انہیں یوکرین ایک دکھاوے کا ملک ہی لگتا تھا۔ ایشونیا کی طرح کے نقصان سے کہیں زیادہ ۱۹۹۰ء میں یوکرین کی آزادی یا ایس ایس آر کے خاتمے کی علامت ہے۔

اگر یوکرین روں کے ساتھ اپنی شرکت داری برقرار رکھتا تو شاید یو ایس ایس آر ٹوٹنے سے قیچا تا، لیکن ایسا نہیں ہوا اور پوتھ تب سے ہی اس حقیقت سے نالاں تھے اور جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں، انہوں نے اسے پلٹنے کی کوشش کی۔ اس وقت ٹونی بلیز اور جارج ایش پوتھ کی حقیقی قدرت